اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۲ | شعبان ۱۴۴۲ھ | اپریل ۲۰۲۱ء | شمارہ ۴

احکام المال

مال کی آمد و خرچ کے احکام (قسط دوم)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے
زر سالانہ = /۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

احکام المال

(مال کی آمد وخرچ کے احکام) قسط دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مال کی آمد وخرچ کے احکام کے متعلق یہ وعظ ۱۴ رجب سنہ ۱۳۳۷ھ کو بھوپال ہاؤس لکھنؤ میں کرسی پر بیٹھ کر بیان فرمایا۔ ۱۵۰۰ کی حاضری تھی۔ پونے پانچ گھنٹے میں ختم ہوا محمد یوسف ولد مردان علی سکنہ محلہ قاضیاں بجنور نے قلمبند کیا۔

مال کی آمد وخرچ کا بیان۔ سودی مال اور اس کے مٹنے کی حقیقت۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شخص کا چندہ قبول نہ فرماتے تھے۔ آج کل تو مال حرام تک واپس نہیں کرتے۔ شریعت میں رائے پر محنتانہ لینا جائز نہیں مگر وکلاء و بیرسٹر لیتے ہیں۔ مسئلہ بتانے کی اجرت ناجائز ہے۔ نیوتہ کے مفاسد، میراث کی خرابیاں، مسلمانوں کی تباہی کا راز، اسراف وتبذیر اخراجات کے حدود کو تفصیل سے بیان فرمایا یہ وعظ کافی طویل ہے اس لیے اس کو دو قسطوں میں طبع کیا جا رہا ہے یہ دوسری قسط ہے۔

خلیل احمد تھانوی

احکام المال

(مال کی آمد و خرچ کے احکام) قسط دوم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	مجتہد کا کام..........................	۷
۲..........	شریعت میں وسعت........................	۹
۳..........	اہل خصوصیت کا تقویٰ....................	۱۲
۴..........	ایک جنٹلمین کا واقعہ....................	۱۳
۵..........	ہمارا تقویٰ..........................	۱۴
۶..........	نیوتہ کے مفاسد........................	۱۶
۷..........	میراث کی خرابیاں......................	۱۷
۸..........	آمد و خرچ کے معاملات..................	۱۸
۹..........	مسلمانوں کی تباہی کا راز................	۲۰
۱۰..........	زمین کی حقیقت........................	۲۲
۱۱..........	اسراف وتبذیر........................	۲۴
۱۲..........	ایک قابل عمل بات......................	۲۸
۱۳..........	قرآن اور جمہوری نظام..................	۳۰
۱۴..........	شیطان کا مکر..........................	۳۲

۱۵.......... اہل اللہ کی معاشرت.. ۳۴

۱۶.......... ہر چیز میں تفاخر.. ۳۷

۱۷.......... یورپ کی اندھی تقلید.. ۳۸

۱۸.......... انگریزی طرز اخلاق.. ۴۰

۱۹.......... رسم پرستی.. ۴۱

۲۰.......... اعتدال کی ضرورت.. ۴۴

۲۱.......... اخراجات کی حدود.. ۴۵

۲۲.......... نام اور کام کی اہمیت.. ۴۷

۲۳.......... اخبار الجامعۃ.. ۴۹

گزشتہ وعظ کا آخری عنوان (شریعت میں چیزوں کی اقسام) تھا۔

مجتہد کا کام

بس سمجھ لیجئے کہ جَو کی روٹی کھانا مقصود نہیں ہے کوئی شرعی مصلحت اس کے ساتھ وابستہ نہیں ہاں بعض موقع پر معین ہوتی ہے مقصود میں۔ اس لیے جہاں ایسا موقع ہوتا ہے وہاں بتلائی جاتی ہے اور بعض طبائع ہیں ضعیف وہ اس کی متحمل نہیں ہوسکتیں۔ اس لیے انہیں یہ مفید نہیں ہوتی بلکہ مقصود میں مشغول ہونے سے مانع ہوجاتی ہے۔ ایسے موقع پر اس سے منع کیا جاتا ہے۔

مثلاً ہم نے جَو کی روٹی کھائی اور کھا کر پیٹ میں ہوا درد، تو جو ہم کو محبت تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنن سے وہ اس حالت میں باقی نہ رہے گی بلکہ وحشت ہوگی اور خطرہ آئے گا کہ اچھا سنت پر عمل کیا کہ پیٹ میں درد ہوگیا۔ آج متشددین ہی کی بدولت شریعت سے لوگوں کو نفرت ہوگئی لیکن مشائخ ہر شخص کی قابلیت دیکھ کر اس کے مناسب تعلیم کرتے ہیں چنانچہ ایسے مقام پر کہتے ہیں کہ جَو کی روٹی مت کھاؤ اور پہلے چور کی حکایت ایسی ہی گزر چکی ہے کہ شیخ نے اس کو خانقاہ کے جوتے الٹ پلٹ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کے مناسب حال وہی بات تھی دوسرے شخص کو اس کی اجازت تھوڑا ہی دی جائے گی۔

ایک رئیس تھے انہوں نے میرے پاس آنے اور قیام کرنے کا ارادہ کیا اور یہ بھی لکھا کہ میرا جی گاڑھے(۱) کے کپڑے پہننے کو چاہتا ہے۔ اس لیے میرے واسطے وہ بھی تجویز کیے جائیں میں نے ان کو لکھا کہ آپ کو مریض ہونے کی حیثیت سے حق نہیں فرمائش کا، میں جس طرح چلاؤں گا ویسے چلنا پڑے گا اور اس میں ایک راز تھا۔ وہ یہ کہ شریعت میں یہ اصلی مقصود تو ہے نہیں۔ پھر ان رئیس کے گاڑھے کے کپڑے پہننے سے ایک بڑا ضرر ہوتا۔ وہ یہ کہ اگر ایسا شخص گاڑھے کے کپڑے پہنے گا تو دل میں عجب پیدا ہوگا کہ ہم کتنے متواضع ہیں کہ رئیس ہوکر ایسے کپڑے پہنتے ہیں ہم ایسے اچھے ہیں کہ ہم میں ایسی مسکنت ہے اور مقصود ہے عجب کا ازالہ اور یہاں وہ پیدا ہوگا۔ اس لیے ایسے

(۱) کھدر کے کپڑے۔

موقع پر گاڑھے کے کپڑے پہننے کی ہرگز اجازت نہ ہوگی۔ یہ ہے حقیقت اس کی۔

ایسے شخص سے زیب وزینت چھڑائی جائے گی جو زیب وزین میں مشغول رہتا ہو اور کام نہ کرتا ہو بناؤ سنگھار میں وقت گزارتا ہو۔ اس سے کہا جائے گا لوگ جہاں راستہ چلتے ہوں وہاں جا کر جھاڑو دیا کرو تاکہ کپڑوں پر اور جسم پر گرد پڑے اور زیب وزینت کو چھوڑے اور کام میں لگے۔ تو ایسے شخص سے اس طرح زیب وزینت چھڑادی جاتی ہے۔

غرض سادھے کپڑے اور جَو کی روٹی یا اس کی مثل، سنن عادیہ میں سے ہیں۔ اگر کہیں ان کی وجہ سے مقصود فوت ہونے لگتا ہے تو ان کو چھڑادیا جائے۔ کیونکہ سنن عادیہ کوئی مقصود نہیں ہیں بلکہ بعض موقع پر سنن عبادت تک چھڑادی جاتی ہیں اگر ان سے ضرر ہوتا ہے۔

مثلاً یہ سنت ہے کہ تہجد کی آٹھ رکعت پڑھے۔ اب کسی کو نیند زیادہ آتی ہے اور وہ تہجد کے واسطے زیادہ دیر جاگا اور پھر ایسا سویا کہ صبح کی جماعت فوت ہوگئی تو اس سے کہا جائے گا کہ تم دو رکعت پڑھ کر جلد سو جاؤ تاکہ صبح کی جماعت نہ جائے اگرچہ آٹھ رکعت سنن عبادت میں سے ہیں مگر جب اس سے بڑھ کر مقصود فوت ہوتا ہے تو اس کو چھڑادیں گے۔ غرض یہ کام مجتہدین کا ہے کہ وہ مقصود اور غیر مقصود کو جان سکتے ہیں یہ نہیں کہ ترجمہ قرآن کا دیکھ کر اور مشکوٰۃ پڑھ کر اجتہاد کرنے لگیں۔

نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند　　نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند(۱)

سو یہ راز ہے اس حکایت میں کہ جب شیخ نے دیکھا کہ جَو کا آٹا بے چھنا کھانے سے سب کے پیٹ میں درد ہوا تو فوراً اس سے منع کردیا اس خیال سے کہ یہ کوئی سنن عبادت تو ہے نہیں اور اس سے اندیشہ ہے دینی ضرر کا کہ کہیں سنت سے وحشت نہ ہوجائے اس لیے ہمارے لیے اس کا ترک ہی مناسب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بابت اس کے مجموعی حالت سے ثابت ہوجاوے کہ حج کے راستہ میں اس سے نماز کی پابندی نہ ہوسکے گی تو اس کو حج نفل سے منع کیا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کو ایک نماز کے بھی قضا ہونے کا گمان غالب ہو تو اس کو حج نفل

(۱) ”ہر صاحب آئینہ سکندر نہیں ہوتا ہر حسین دلبر نہیں ہوتا“۔

کرنا جائز نہیں اسی کے بارے میں عارف مسود بک کہتے ہیں۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید　　معشوق درینجاست بیائید بیائید(۱)

اس شعر میں مطلق حج مراد نہیں جس سے شبہ پڑے کہ حج سے روک رہے ہیں بلکہ حج نفل جس سے کوئی فرض چھوٹتا ہو وہ مراد ہے۔ جنہوں نے اس کو مطلق سمجھ لیا وہ اعتراض کرنے لگے کہ لو حج ہی سے منع کرتے ہیں جو ایک بڑی عبادت ہے۔ تو سمجھ لو کہ وہ ان لوگوں کو کہہ رہے ہیں جنہیں حج سے دینی ضرر پہنچتا ہے کہ نفل کو تو ادا کرتے ہیں اور فرض کو چھوڑ بیٹھتے ہی۔ سو ظاہر ہے کہ ایسوں کو حج سے قرب نہیں بڑھتا بلکہ اور بعد ہو جاتا ہے اسی واسطے کہتے ہیں۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید　　معشوق درینجاست بیائید بیائید

یعنی تم کہاں چلے تمہارا محبوب تو یہیں ہے۔ تمہیں محبوب کا قرب یہیں رہ کر حاصل ہوسکتا ہے وہاں نہیں حاصل ہوگا۔ غرض یہ کہ سنن عادیہ اور سنن عبادت ایسے شخص کے واسطے ناجائز ہیں جس کا یہ نتیجہ ہو کہ کوئی دینی ضرر پہنچ جائے۔ اسی واسطے حضرت مشائخ کسی کو کچھ بتاتے ہیں اور کسی کو کچھ بتاتے ہیں جو جس کے مناسب ہوتا ہے اس کو وہی بتلاتے ہیں۔ یہ کام ہر شخص کا نہیں اس کام کے وہی حضرات ہیں۔ مطلب میرا یہ ہے کہ لوگوں کو ایسی حکایات (جیسے بیل کے کھر میں مٹی لگ جانے کی حکایت سابق میں گزری) نہ سنانی چاہئیں۔

شریعت میں وسعت

بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ شریعت میں وسعت ہے میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر کسی مسئلہ میں مجتہدین کا اختلاف بھی ہو مگر آج کل کے مجتہدین کا اختلاف نہیں اور اس میں ابتلاء عام ہو تو اس کو بھی جائز کہنا چاہئے۔

وجہ یہ ہے کہ معاملات بہت گندے ہو رہے ہیں۔ اگر مختلف فیہ امور کو(۲)

---

(۱) ''یعنی تم کہاں چلے حج کرنے تمہارا محبوب یعنی اللہ میاں تو یہاں ہیں'' (۲) جن مسائل میں فقہاء میں اختلاف ہے۔

حرام بتلایا جاوے گا تو اگر اس پر کوئی کرے گا تو اس کو تنگی ہوگی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شریعت کو تنگ سمجھنے لگے گا اور اگر عمل نہ کرے گا تو وہ ان کو محرمات اجماعیہ (۱) کو برابر سمجھے گا اور دونوں میں مبتلا ہوجائے گا۔ اس لیے غلو نہیں چاہئے تنگی میں بلکہ وسعت کرنی چاہئے فائدہ اس کا یہ ہوگا کہ وسعت ہونے سے اعتقاد درست ہوگا کہ شریعت کیسی اچھی چیز ہے اور کیسی رحمت ہے لوگوں کا تو گمان یہ ہوگیا ہے کہ شریعت میں تو سوائے لا یجوز (۲) کے اور کچھ ہے ہی نہیں حالانکہ شریعت میں لا یجوز بہت کم ہے، یجوز کثرت سے ہے۔ جو فقہ سے واقف ہے وہ اس کو خوب جانتا ہے غرض یہ کہ وسعت دینے میں ایک تو شریعت سے محبت ہوگی دوسرے جو اس سے منتفع ہوگا، آرام سے رہے گا۔ اس سے حق تعالیٰ کی محبت غالب ہوگی۔

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ عاشق احسانی ہیں۔ ہم لوگوں کو جو خدا تعالیٰ سے محبت ہے وہ احسانات کی وجہ سے ہے اسی واسطے ہمارے حضرت کا مسلک یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے آرام سے رہو مگر حد سے نہ نکلو۔ ساری دنیا کے مشائخ گھی دودھ چھڑاتے ہیں اور حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ نفس کو خوب کھلاؤ پلاؤ اور اس سے کام لو وہ اس صورت میں خوب کام کرے گا۔

که مزدور خوش دل کند کار بیش! (۳)

ورنہ کہے گا کہ میاں کس برتہ پر کام کریں۔

حضرت حاجی صاحب ایک دفعہ میرا نام لے کر فرمانے لگے کہ میاں اشرف علی پانی خوب ٹھنڈا پیا کرو۔ ٹھنڈا پانی پیو گے تو ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے گا اور اگر گرم پیو گے تو الحمد للہ دل سے نہ نکلے گا بلکہ زبان ہی تک رہے گا۔

میں تو حضرت کے یہاں دن رات دیکھتا تھا کہ حضرت کا قصد یہی تھا کہ ایسے طریقے اختیار کئے جائیں جن سے حق تعالیٰ کی محبت بڑھے اس واسطے کہ بعض کو جب

---

(۱) جن باتوں کے حرام ہونے پر اجماع ہے (۲) جائز نہیں (۳) جو مزدور خوش ہو مالک سے وہ زیادہ کام کرتا ہے۔

خوف غالب ہوتا ہے تو طاعت کم ہوتی ہے۔ خوف کی صورت میں صرف ضابطہ کی طاعت ہوتی ہے۔ اسی کو تو عراقی کہتے ہیں۔

صنما رہ قلندر سزد ار بمن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی(۱)

رہ قلندر محبت کی راہ ہے اور رہ و رسم پارسائی ضابطہ کی طاعت ہے۔ محبت ایسی چیز ہے کہ اس میں آدمی ہر قسم کی تکلیف برداشت کر لیتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من(۲)

محبت کی روح کو راحت ہوتی ہے گو جسم کو تکلیف ہو اور یہ حالت ہوتی ہے جیسے ایک عارف کہتے ہیں۔

زندہ کنی عطائے تو وربکشی فدائے تو جاں شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو(۳)

جب محبت ہوتی ہے تو پھر کوئی چیز گراں نہیں ہوتی۔ بعض لوگ رات بھر تو جاگتے ہیں اور محنتیں اٹھاتے ہی اور پھر ہشاش بشاش رہتے ہیں تو کیا بات ہے؟ یہی محبت ہے اس کی کچھ گرانی نہیں ہوتی میں تو کہتا ہوں کہ جس کو محبت کامل ہوگی اس سے معاصی ہرگز نہ ہوں گے۔ بس جب کسی کو دودھ گھی میسر ہو تو خوب کھائے پیئے بشرطیکہ معاصی کی حد تک نہ پہنچے حد کے اندر رہ کر جتنی چاہے وسعت کرے۔ اس سے محبت بڑھے گی، تو معاصی آپ ہی چھوٹ جائیں گے۔

اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ فتویٰ میں تنگی نہ کرنی چاہیئے۔ جائز تک رکھئے تو غنیمت ہے اولیٰ پر تو کہاں پابندی ہوسکتی ہے۔ اختلافی مسئلہ میں اگر ابتلائے عام ہو تو اس کو بھی جائز ہی بتلایئے۔ مگر یہ معاملات میں ہے نہ کہ شطرنج وغیرہ میں۔ کیونکہ معاملات میں تنگی کرنے سے تو تکلیف ہوتی ہے اور شطرنج وغیرہ سے روکنے میں کیا تکلیف ہے۔ اس تقریر سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ حلال کے ابواب کثرت سے موجود ہیں۔

---

(۱)"اے صنم اگر تو مجھ کو قلندرانہ راہ دکھائے تو وہ میرے لئے موزوں ہے کیونکہ پارسائی کی راہ و رسم انتہائی دور بھی ہیں اور طویل بھی" (۲)"تیرا رنجیدہ ہونا مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے دل قربان ہے ایسے یار پر جو میرے دل کو رنجیدہ کرنے والا ہے" (۳)"زندگی بخشیں تو آپ کی عطا ہے اگر موت دیں جان آپ پر قربان، میں تو آپ پر فدا ہوں جو چاہے کیجئے"

اہل خصوصیت کا تقویٰ

مگر افراط تفریط نہ کرنی چاہئے۔ مشکل یہ ہے کہ لوگ افراط تفریط(۱) کرنے لگتے ہیں اہل حال کی حکایات دیکھ کر اپنے کو ان پر قیاس مت کرو۔ وہ ہوتے ہیں مصاحبین ان سے ذرا سی بات میں گرفت ہوجاتی ہے اور ہم لوگ ایسے ہیں، جیسے رئیسوں کے کاشتکار، مصاحب اگر دربار میں بلند آواز سے بھی بولے تو آنکھیں نکال لی جاویں اور کاشتکار اگر باہم گالیاں بھی بکیں تو چشم پوشی کی جاتی ہے۔ ہر ایک کا معاملہ جدا ہے اہل خصوصیت کی باتیں ہی الگ ہیں ان کا تقویٰ بھی جدا ہے۔

ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک طالب علم تھے وہ کہیں پڑھتے تھے ان کے والد ان سے ملنے آئے بیٹے تو اس وقت موجود نہ تھے۔ ایک اور طالب علم تھے جو اس حجرہ میں ان کے بیٹے کے ساتھ رہتے تھے ان سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ کہیں گئے ہوئے ہیں یہ وہاں بیٹھ گئے اتفاق سے حجرہ میں بازار کی روٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے جو دیکھا کہ بازار کی روٹیاں رکھی ہیں تو بہت ہی برہم ہوئے اتنے میں وہ طالب علم بھی آگئے اور اپنے والد کو سلام کیا۔ انہوں نے منہ پھیر لیا اور کہا کہ تم بازار کی روٹی کھاتے ہو علم دین کا نور اور اس کی برکت تمہیں کیسے حاصل ہوگی۔ بازار کی روٹی منظر عام پر رکھی جاتی ہے اور ہر قسم کے لوگ اس کو دیکھتے ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی یہ حالت ہوتی ہے۔

کہ بزار چندانکہ گندہ تر تہی دست را دل پراگندہ تر

روٹی کو دیکھ دیکھ کر ان کا دل للچاتا ہے اور پاس کچھ ہوتا نہیں اس لیے پریشان ہوتے ہیں اور بعض قحط زدہ ہوتے ہیں کہ ان کا دل روٹی کو دیکھ کر لوٹ پوٹ ہوتا ہے اور خالی ہاتھ ہونے سے کھا نہیں سکتے۔ بس دل ہی دل میں گھٹ کر رہ جاتے ہیں۔ تو یہ بازار کی روٹی سبب ہے بعض مسلمانوں کے دل پریشان ہونے کا اور اس سے مسلمانوں کا دل دکھا ہے وہی روٹی جس نے دل دکھایا ہے مسلمانوں کا اس کو تم کھاتے

(۱) کمی وبیشی۔

ہوا اس طالب علم نے عرض کیا کہ یہ روٹیاں میری نہیں ہیں بلکہ میرے شریک حجرہ کی ہیں اس پر ان کے والد نے کہا کہ تم ایسے حجرہ میں کیوں رہتے ہو جس میں بازار کی روٹیاں کھانے والا رہتا ہے۔

دیکھئے یہ ہے اہل خصوصیت کا تقویٰ آج کل بتلایئے ایسا کون ہے جو بازار کی روٹی نہ کھاتا ہو۔ جس سے مسلمانوں کا دل دکھا ہوتا ہے ہمدرد قوم کے اصل میں یہ حضرات ہیں۔ آج جو ہمدرد قوم کہلاتے ہیں اب ان کی حالت دیکھئے ان کو ہمدرد کیا ہمہ (۱) درد کہنا چاہئے۔

ایک جنٹلمین کا واقعہ

ایک جنٹلمین صاحب کا قصہ ہے کہ انہوں نے اسباب اٹھانے کے لیے اسٹیشن پر ایک قلی کیا اور مزدوری میں اس کو دونی دی وہ تھی کھوٹی قلی نے کہا کہ اس کو بدل دیجئے نہیں چلے گی انہوں نے کہا کہ چلے گی کیوں نہیں اس نے کہا کہ صاحب کیسے چلے گی یہ تو بہت کھوٹی ہے اس کا انہوں نے کیسا ظالمانہ جواب دیا کہ جیسے ہم نے چلا دی تم بھی چلا دینا تم نے تو ظلم اور زبردستی سے چلا دی اسے کون سا شخص ایسا ملے گا جس پر ظلم اور زبردستی کر سکے۔ بس وہ روتا ہوا چلا گیا اور یہ فرعون کی طرح بیٹھے رہے پرواہ بھی نہیں کی۔ خدا جانے یہ کیسی ہمدردی ہے۔ بس ان لوگوں میں ہمدردی کے الفاظ ہی ہیں ظاہر کچھ ہے باطن کچھ ہے۔

وجائزۃ دعویٰ المحبت فی الھوی ولکن لایخفی کلام المنافق (۲)

یہ لوگ تقلید کرتے ہیں یورپ کی مگر اہل یورپ اتنے بے درد نہیں ہیں جیسے یہ لوگ ہیں ایک عادت ان کی یہ بھی ہے کہ یہ لوگ عموماً ہر بات کے اندر مسلمانوں کے مقابلہ میں غیر اقوام کے طریقہ کو ترجیح دے کر ان کی تقلید کرتے ہیں مگر فضول باتوں میں میں جیسے کوٹ پتلون پہنتے ہیں حضرت جو اہل کمال ہیں وہ ان فیشنوں کے مقید تھوڑا ہی ہیں اور جن لوگوں کے اندر کچھ کمال نہیں وہ ظاہر کی لیپ پوت کرتے ہیں۔

غرض بازار کی روٹی کھانے کا قصہ تھا کہ ان طالب علم کے والد صاحب نے ایسے

(۱) سراپا درد (۲) ''عشق میں محبت کا دعویٰ جائز ہے لیکن منافق کا کلام پوشیدہ نہیں رہتا''۔

حجرہ میں رہنے کی بھی تو اجازت نہیں دی جس میں بازار کی روٹی کھائی جاتی تھی یہ بھی ایسی ہی حالت ہے جیسے پہلے گزری مگر یہ خوب سمجھ لیجئے کہ ہم اس حکایت کے مخاطب نہیں ہیں۔

ہمارا تقویٰ

ہمارا تقویٰ فتویٰ ہے فتوے پر عمل کرلیں بس یہی ہمارا تقویٰ ہے۔ فتوے سے جو چیز حلال ہو اس کو حلال سمجھو لیکن اتنی وسعت بھی نہیں کہ ہر چیز جائز ہو نہ سود کی پرواہ ہو نہ رشوت کی پرواہ ہو۔

مال کے متعلق ایک امر پر اور مطلع کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ لوگ میراث میں بہت زیادہ بے احتیاطی کرتے ہیں کیونکہ خود مالک تو اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتا نہیں اس لیے بے تک قبضہ میں آتا ہے۔ مرنے والا تو مرگیا اب جس کی لاٹھی اس کی بھیس بس جس کے ہاتھ میں کنجی ہوئی وہ مالک بن بیٹھا مال میراث میں لوگوں کو ذرا احتیاط نہیں اکثر تو مخفی کرلیتے ہی دوسرے وارثوں کو یہ پتہ بھی نہیں دیتے۔ اکثر زبردست ہونے کی وجہ سے قابض ہوجاتے ہیں اور زیادہ بے فکری وہاں ہوتی ہے جہاں قانون سے بھی انہیں کو ملتا ہے جیسے کواودھ کہ میراث کا مالک فرزند اکبر ہے اور دوسرے وظیفہ خوار۔

خوب سمجھ لو کہ یہ مطلق حرام ہے۔ شریعت نے میراث کے احکام خود مقرر کئے ہیں۔ کوئی قانون شریعت کو منسوخ نہیں کرسکتا شریعت نے جس جس کا حق رکھا ہے اس کو پہنچانا واجب ہے دوسرے کے حق سے خود منتفع ہونا یا کسی اور کو دینا حلال نہیں ہے سلف کو دیکھئے ایسے اموال میں کتنی احتیاط کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ آپ چراغ کی روشنی میں مال وقف کا حساب لکھ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے ان کو آتے ہوئے دیکھ کر آپ نے چراغ گل کردیا انہوں نے دریافت کیا کہ اس میں کیا مصلحت تھی آپ نے فرمایا کہ یہ چراغ بیت المال کے تیل کا ہے اگر روشن رہنے دیتا اور آپ سے باتیں کرتا تو باتوں میں اس کا صرف کرنا درست نہ تھا اور اگر آپ سے باتیں نہ کرتا تو مروت کے

خلاف تھا۔

اسی طرح میراث میں سلف سخت احتیاط کرتے تھے ایک بزرگ ایک دوست کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے وہاں گئے تو ان کو نزع کی حالت میں پایا چانچہ تھوڑی دیر میں ان کا انتقال ہوگیا وہاں چراغ جل رہا تھا آپ نے فوراً اسے گل کر دیا اور اپنے پاس سے پیسے دے کر تیل منگایا اور اس سے چراغ روشن کیا اور فرمایا کہ وہ تیل مرحوم کی ملک اسی وقت تک تھا جب تک کہ وہ زندہ تھے اور انتقال کرتے ہی تمام ورثاء کی ملک ہوگیا۔ جس میں بعض ورثاء یتیم ہیں۔ بعض غائب ہیں۔ اس لیے اس کا استعمال جائز نہیں۔

سو یہ تھی ان حضرات کی احتیاط اب تو تیل کیا ہاتھی کے ہاتھی نگل جائیں اور خبر نہ ہو زیادہ افسوس یہ ہے کہ اہل علم بھی اس کی پرواہ نہیں کرتے مدارس تک میں اس کی احتیاط نہیں مدارس میں قیمتی قیمتی اسباب اس قسم کے ہوتے ہیں مجھ کو یاد نہیں کوئی خط کسی مدسہ کی طرف سے اس مضمون کا گیا ہو کہ یہ اسباب جو بھیجا ہے تو سب ورثاء کی اجازت سے بھیجا ہے یا نہیں یا اگر کوئی بچہ میت کا نابالغ ہے تو اس کا حصہ نکالا ہے یا نہیں بس یہ حال ہے کہ مال آیا اور رکھ لیا۔

سو جب خواص کی یہ حالت ہے تو عوام الناس کو کیا کہا جائے۔ عوام الناس سے کہو بھی تو کہتے ہیں کہ جب اہل علم ایسا کرتے ہیں تو بھلا ہم کس شمار میں ہیں۔ اہل مدارس دل کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے دینے میں کون انکار کرتا ہے اس لیے سب ورثاء کی طرف سے اجازت ہی ہے اور اگر کوئی نابالغ بھی ہے تو وہ پھر بڑا ہو کر معاف کردے گا۔ بعض کی بلکہ اکثر کی یہ حالت ہے کہ میت کی فاتحہ اور کھانا وغیرہ مشترک مال سے کرتے ہیں جس کے اندر نابالغ بچوں کا بھی حصہ ہوتا ہے یہ خبر نہیں کہ جو شخص اس مغصوب مال کو کھائے گا وہ مغضوب ہوگا۔ جی کو یوں سمجھا لیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہیں پھر اس میں ہم پر الزام کیا ہے۔

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ کوئی شخص مر گیا بس سارا مال بیوہ کو دے دیا بلی کے بھاگوں چھیکا ٹوٹا[1] اب وہ مالک الملک ہے۔ یتیم بچوں کا مال خوب لٹا رہی ہے کہیں شادی میں کہیں نیوتہ میں۔

نیوتہ کے مفاسد

اول تو نیوتہ کی رسم ایک رسم ہے بے ہودہ اس میں اگر خالص اپنا مال ہوتب بھی نہ لگانا چاہئے پھر یہ تو مشترکہ مال ہے اگر کوئی کہے کہ صاحب نیوتہ تو نہایت عمدہ رسم ہے۔ یہاں نیوتہ دیتے ہیں تو نیوتہ لینے والا اتنے لوگوں کا مقروض بنتا ہے حدیث میں صاف موجود ہے کہ مقروض جنت میں نہ جائے گا تاوقتیکہ اہل حق کا حق ادا نہ ہوجائے۔

دوسرا مفسدہ تو بالکل لا علاج ہی ہے اس کا علاج ہی نہیں سوائے اس کے کہ اس رسم کو چھوڑا جائے اور وہ میراث کے ایک مسئلہ پر متفرع ہے۔ اسے اس طرح سمجھئے کہ ایک شخص مرا اس نے دو بیٹے چھوڑے اور اس نے مثلاً پانچ روپے نیوتہ میں دیئے تھے تو پانچ روپے بھی مردہ کی میراث ہیں جب وصول ہوں گے تو ان کا ورثاء پر تقسیم کرنا واجب ہوگا۔ اب وہ آئیں گے کس طریقہ سے اس کی صورت یہی ہے کہ جب ان کے یہاں تھوڑا تھوڑا دینے میں شادی والے کا کام ہوجاتا ہے اور دینے والوں میں سے کسی پر بار نہیں ہوتا تو مستحسن کو قبیح کیسے کہہ دیا۔ غریب کو دیا اس کی شادی ہوگئی یہ تھوڑی بات ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں نے ایک فائدہ کو تو دیکھ لیا اور دوسرے مفاسد جو اس کے اندر ہیں ان کو چھوڑ دیا۔ اس میں اگر ایک فائدہ ہے تو مفاسد کتنے ہیں۔ ان مفاسد کو بھی تو دیکھنا چاہئے اور اول تو جو فائدہ اس میں سوچا گیا ہے وہ بھی حاصل نہیں ہوتا کیونکہ آج کل کی شادیوں میں خرچ اتنا کیا جاتا ہے کہ نیوتہ اس کے لیے کافی نہیں ہوتا اور مفاسد اس کے اندر بہت ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک مفسدہ یہ ہے کہ تو وہ بطور نیوتہ کے دیئے جائیں گے اب ایک بیٹے کی شادی ہوئی اور وہ پانچ روپے آئے تو

(۱) مراد پوری ہوجانا۔

وہ پانچ روپے اس کے نہیں بلکہ یہ صرف اڑھائی روپے کا مستحق ہے اور باقی اڑھائی روپے دوسرے بھائی کا حصہ ہے۔ لہٰذا وہ اس کو دینے لازم ہیں مگر وہ اس کو نہیں دیئے جاتے اس لیے دینے والے کے ذمہ سے پانچوں روپیہ ادا نہ ہوئے بلکہ صرف اڑھائی روپے ادا ہوئے اور دوسرے بیٹے کے اڑھائی روپے رہ گئے پھر وہ مرگیا تو اب ان اڑھائی روپے کی میراث چلے گی اسی طرح آگے اولاد ہوگی اور یہی سلسلہ چلے گا تو اس اڑھائی روپیہ کے ہزاروں آدمی مستحق ہوگئے قیامت میں اس شخص کی جان پر بنے گی اس لیے ایک ایک پیسہ اور کوڑی کوڑی کا دعویٰ ہوگا آخر اس کا علاج کیا سوچا ہے؟ اس نیوتہ سے تو نا نیوتہ اچھا۔ یہ مفاسد ہیں اس نیوتہ خبیث میں مگر چونکہ لوگوں کو شریعت کا علم نہیں اس واسطے ان خرابیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔

میراث کی خرابیاں

غرض یہ کہ میراث میں بڑی خرابی ہورہی ہے بیوہ کو اگر سارا مال مل جاتا ہے تو وہ اس کو اس طرح لٹاتی ہے اور یتیم بچوں کا بھی حصہ نہیں چھوڑتی ہے اور اگر کسی اور کا قبضہ ہوجاتا ہے تو وہ مالک بن بیٹھتا ہے۔ دوسرے وارثوں کو نہیں دیتا۔ رہیں گھر کے برتنے کی چیزیں سو وہ تو مشترک ہی رہتی ہیں کبھی تقسیم ہی نہیں کی جاتیں۔ یہ گڑ بڑ ہورہی ہے میراث میں۔

بس ان کے بچنے کی آسان صورت یہ ہے کہ جب کس کا انتقال ہوجاوے تو جتنا مال اور اسباب ہو سب تقسیم کرلو اور دیر بالکل نہ کرو دیر کرنے میں بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں بطور نمونہ کے چند واقعات سناتا ہوں۔

میرے والد صاحب کے پاس ایک قلمدان تھا بعد ان کے انتقال کے میں نے لے لیا کیونکہ سارے ورثاء بالغ تھے اور میرے لینے سے سب خوش تھے مگر پھر مجھے کھٹکا ہوا کہ میرے فعل سے دوسروں کو سند ہوگی بس میں نے قیمت کرکے ورثاء کو تقسیم کی اور میں نے کہہ دیا کہ چاہے قلمدان لے لو چاہے پیسے لے لو اور وجہ یہ تھی کہ مجھے اس

کو مفت لیتے ہوئے غیرت آئی کہ کیوں ورثاء کی منت لوں کہ ان سے معاف کراؤں۔

ہر کہ نان از عمل خویش خورد منت حاتم طائی نہ برد(۱)

دوسرے مجھے سبق سکھانا تھا کہ یوں کیا کرتے ہیں۔

میرے والد کے اسباب میں چکن کے دو چوغے تھے جو لکھنؤ سے لائے تھے ایک میرے لیے اور ایک بھائی کے لیے مگر دینے نہ پائے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا اگر میں لے لیتا تو الحمدللہ! کوئی ان کا مطالبہ کرنے والا نہ تھا اور ان کے کس کام کے تھے خوشی سے سب مجھ کو دے دیتے مگر میں نے کہا کہ ان میں بھی میراث جاری ہوگی یہ میں نے اس وجہ سے کہا کہ اس سے اوروں کو سبق ملے گا برتن وغیرہ سب کی تقسیم شرع کے موافق کی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں تمام ترکہ تقسیم ہوگیا اور ذرا نزاع نہیں ہوا۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ ترکہ مرتے ہی تقسیم ہوجاوے۔ بعد میں بڑے قصے پھیلتے ہیں اب تقسیم برسوں کے بعد ہوتی ہے بڑی خرابیاں پڑتی ہیں بس خدا سے ڈرنا چاہئے اور ان معاملات کو درست کرنا چاہئے۔

آمد وخرچ کے معاملات

خلاصہ یہ کہ لوگوں نے آمد مال کے ابواب میں سخت بے احتیاطیاں کر رکھی ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ بس شریعت کا تعلق صرف نماز روزہ سے ہے۔ حالانکہ شریعت کا معاملہ اور اموالوں سے بھی پورا تعلق ہے قیامت کے روز ایک دانگ کے عوض میں سات سو مقبول نمازیں لے جائیں گے پھر حضرت اگر ایسا ہوا تو بتلائیے ہمارے پاس کیا بچے گا خدا کے لیے معاملات درست کرو ناجائز آمدنی کو چھوڑو رشوت بھی حقوق عباد سے ہے، سود بھی حق عبد ہے ان سب سے احتیاط رکھو اور حقوق الٰہی کا بھی خیال رکھو۔

رشوت کے بارے میں یہ کہنا کہ اس نے تو خوشی سے دیا، یہ محض غلط ہے کوئی اپنا مال خوشی سے نہیں دیتا۔ اپنے اوپر قیاس کرکے دیکھئے کہ آپ کو کبھی اتفاق پڑے تو کیا

(۱) ’’جو شخص اپنی محنت سے روٹی کما کر کھاتا ہے وہ حاتم طائی کا احسان نہیں اُٹھاتا‘‘۔

آپ خوشی سے دیں گے؟ ہر گز نہیں بلکہ اگر معلوم ہو جائے کہ کام ویسے ہی ہو جائے گا تو کبھی نہ دیں۔

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا وہ تحصیل مال کے متعلق تھا جس کو میں نے تفصیل سے عرض کر دیا اب دوسری شق مال کے خرچ کرنے کی باقی رہ گئی کہ اس میں بھی لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں اور مال میں دو ہی تصرف ہیں ایک اس کا حاصل کرنا دوسرے اس کا صرف کرنا۔ ایک جزو کا تو بیان ہو چکا اب دوسرے جزو کو بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ خرچ میں بے احتیاطی دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو یہ کہ کھلے معاصی میں مال خرچ کیا جائے دوسری صورت یہ ہے کہ کھلی معصیت میں تو مال خرچ نہیں کیا مگر خرچ حد سے زیادہ کیا شہوات میں منہمک ہو گئے تنعم اور تفاخر میں اڑانا شروع کر دیا۔

خوب سمجھ لو کہ تنعم اور تفاخر کا انجام ذلت ہے کیونکہ اموال غیر متناہی تو ہیں نہیں کہ کتنا ہی خرچ کرو اور وہ کم نہ ہوں انجام یہ ہوتا ہے کہ مکان تک بکنے کی نوبت آجاتی ہے۔

میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ مسجد کا سقاوہ بھرا کرتے تھے اور لوگ ان کو نواب کہہ کر پکارتے تھے میں نے کہا، یہ نواب کیسے ہیں۔ معلوم ہوا کہ واقعی نواب تھے اپنے آپ کو تباہ کر کے اس اوقات پر آگئے ہیں۔ میں نے کہا شاباش! یہ انجام ہے مسلمانوں کا، صدہا امراء اور رؤسا فضول خرچیوں کی بدولت تباہ ہو رہے ہیں۔ جائیدادیں ہندوؤں کے قبضہ میں جا رہی ہیں۔

کانپور میں ایک رئیس کا انتقال ہوا۔ ساری جائیداد ان کے بیٹے کے ہاتھ آئی۔ اس نے اڑانا شروع کی اس کے والد کے ایک دوست نصیحت کرنے کے لیے آئے اور اس کو بٹھا کر بہت دیر تک سمجھایا وہ چپکا گردن جھکائے بیٹھا رہا وہ اس کی یہ حالت دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ اس پر میری نصیحت کارگر ہوئی جب یہ سمجھا چکے تو اس نے کہا کہ بس آپ کہہ چکے یا ابھی کچھ اور کہنا ہے انہوں نے کہا کہ بس جو مجھے کہنا تھا وہ کہہ

چکا۔وہ اٹھا اور طاق میں سے ایک لنگوٹی اٹھالایا اور کہا کہ سنئے فضول خرچی کا زیادہ سے زیادہ انجام یہ ہوتا ہے میں نے جس روز سے فضول خرچی شروع کی اسی روز سے میں اس کے لیے آمادہ ہوگیا ہوں اور یہ بنوا کر رکھ چھوڑی ہے وہ بے چارے اس کا منہ دیکھتے رہ گئے کہ کم بخت نے بیکار ہی میرا دماغ خالی کرایا۔

غرض یہ کہ بعض فضول خرچ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ لنگوٹی سے آگے تو اور کچھ نہیں۔لنگوٹی باندھ لیں گے۔سو ایسے باہمت لوگ بھی ہیں۔

مسلمانوں کی تباہی کا راز

میں سچ کہتا ہوں کہ مسلمان دوسری قوم کے ہاتھ سے کبھی تباہ نہیں ہوتے جب تباہ ہوتے ہیں اپنے ہاتھ سے ہوتے ہیں۔اسلام ایک قلعہ ہے آہنی دیوار ہے(۱)۔اس میں مسلمانوں کو بسایا ہے۔اس دیوار کو کوئی نہیں توڑ سکتا اب اس کا کیا علاج کہ کوئی خود ہی دشمن کے لیے پھاٹک کھول دے۔اگر یہ طریقہ سے رہیں تو کسی سے مغلوب ہو ہی نہیں سکتے۔یہ تو حزب اللہ (۲) ہیں جن کے بارہ میں ہے فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ یہ تو غالب ہی رہیں گے مگر خود ہی اپنا ناس کرلیں تو اور بات ہے مسلمانوں پر جب تباہی آئی ہے اپنے ہاتھوں آئی ہے کسی دوسرے کے ہاتھوں نہیں آئی۔ چنانچہ رؤسا کی عموماً یہ حالت ہے کہ چانڈو اور گانجہ (۳) اور عیاشی میں اپنی جائیدادوں کو ختم کردیتے ہیں اور پھر فقیر ہوجاتے ہیں۔

ہمارے یہاں ایک نواب تھے کسی ملک کے نواب نہیں تھے بلکہ فضول خرچی سے نواب مشہور تھے۔ یہ حالت تھی فضول خرچی کی کہ نوچندی کا میلہ ہے اور مصاحبوں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا کہ ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم بھی جاتے۔بس یہ سن کر سوسو روپیہ سب کو دے دیا اور یہ کیفیت تھی کہ جلیبیاں منگائی ہیں۔مصاحبین میں سے کسی نے کہہ دیا کہ تیل کی ہیں بس بیلوں کو ڈلوادیں۔وہ جلیبیاں بیل کھا رہے ہیں اور صدہا قسم

(۱) لوہے کی دیوار ہے (۲) اللہ کی جماعت (۳) نشہ آور چیزوں کے استعمال میں۔

کی فضولیات ان کے یہاں رہتی تھیں۔

انجام یہ ہوا کہ مفلس قلاش ہو گئے ایک حالت تو وہ تھی پھر دوسری حالت فاقہ کی ہوئی اس میں یہ کیفیت تھی کہ میرے پاس تمہارے پاس پہنچتے ہیں اور ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ آٹھ آنے پیسے دے دیجئے بہت ضرورت ہے جو لوگ پردیس سے آتے ہیں ان کے پاس پہنچ جاتے میرے والد کے پاس بھی اکثر آتے۔ میں اس زمانہ میں پڑھا کرتا تھا میں ان کی یہ حالت دیکھتا مگر لوگ کہاں تک دیں انہوں نے تو پیشہ ہی یہ کرلیا تھا آخرت انکار کردیتے۔

جس وقت ان کے پاس جائیداد تھی اس وقت اگر کوئی ان کو نصیحت کرتا کہ اس طرح فضول خرچیاں مت کرو جائیداد کو بیچ بیچ کر مت اڑائے ڈالو دیکھو تمہارے باپ نے کس طرح یہ جائیداد خریدی تھی تو آپ فرماتے ہمارے باپ بیوقوف تھے کہ چاندی دے کر مٹی لیتے تھے، یعنی روپیہ دے کر زمین خریدتے تھے، ہم مٹی دے رہے ہیں اور چاندی خرید رہے ہیں (یعنی زمین بیچ رہے ہیں اور روپیہ لے رہے ہیں) مگر انہوں نے اپنی حماقت سے یہ نہ سمجھا کہ مٹی تو چاندی کی بھی ماں ہے جس کے پاس زمین ہے اس کے پاس سب کچھ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس جائیداد ہو اور اس کو کسی مصلحت سے بیچ دے تو فوراً دوسری خرید لے کیونکہ روپے میں برکت نہیں ہوتی (یعنی وہ رہنے والی چیز نہیں) اور واقعی ہے بھی یہی کہ روپیہ رہتا نہیں سو اس حدیث میں تو جائیداد کی حفاظت کی رغبت دلائی جارہی ہے اور ایک اور حدیث ہے اس میں جائیداد خریدنے سے حضرت عائشہؓ کو ممانعت فرمائی ہے وہ پیغمبر ایک جگہ رغبت دلا رہے ہیں جائیداد رکھنے کی اور وہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرما رہے ہیں کہ اے عائشہ جائیداد مت خریدنا تو مطلب یہ ہے کہ نہ ہو تو لو مت اور ہو تو دو مت بجز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی پیشوا ایسا ہے جس کی ایسی تعلیم ہو۔بس دوسرے پیشوا دو قسم کے ہیں یا تو دنیا کو چھڑائیں گے

یا اس میں مبتلا کر دیں گے۔ اور یہاں یہ کیفیت ہے۔

برکف جام شریعت برکف سندان عشق ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن (۱)

اور خاص اس تعلیم میں ایک راز ہے یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو ذلت سے بچاتے ہیں اور یہ امر شاہد ہے کہ جس کے پاس جائیداد ہو اس کی عزت تو جائیداد سے ہوتی ہے وہ اگر جائیداد بیچ دے گا تو اس کی وہ عزت ہرگز نہ رہے گی اس لیے اس کو رکھنے کے واسطے فرمایا یہاں تک کہ اگر کسی مصلحت سے فروخت کرے تو پھر دوسری فوراً لے لے اور جس کے پاس جائیداد نہ ہو تو اس کی جو عزت ہوگی وہ ویسے ہی ہوگی پھر جائیداد خرید کر کے کیوں جھگڑے میں پڑے یہ خوبی ہے اس قانون میں، کوئی قانون ہے شریعت کے سوائے جو عقل سلیم اور فطرت صحیح کے موافق ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ جائیداد ایسی چیز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بیچنے سے منع فرما رہے ہیں دیکھا آپ نے زمین کتنی قدر کی چیز ہے اس سے عزت اور جاہ کی حفاظت ہوتی ہے اور اس کی برکت دیکھئے کہ جس کے پاس یہ ہے اس کے پاس سب کچھ ہے اور خوبی یہ ہے کہ آمدنی کھاتے رہو اور ویسی کی ویسی بنی رہتی ہے اس میں سے کچھ کم نہیں ہوتا۔

تو ایسی چیز کے لیے ان خرچیلے نواب نے کہا کہ مٹی دے کر ہم چاندی خریدتے ہیں یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے اب میں اس کی تائید میں ایک اور حدیث کی شرح کرنا چاہتا ہوں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ زمین کیسی چیز ہے۔

زمین کی حقیقت

وہ حدیث یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنت میں سب سے پہلے غذا زمین کی روٹی ہوگی۔ حق تعالیٰ زمین کی روٹی بنا کر جنت والوں کو کھلائیں گے۔ ظاہراً اس حدیث پر کوئی ہنسے گا کہ اچھے جنت میں گئے کہ ڈھیلے اور پتھر کھانے کو ملے اس سے

(۱) شریعت اور عشق دونوں کے مقتضی پر عمل کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں ۱۲ ص۔

تو دنیا ہی میں اچھے تھے۔ وہاں تو روٹی کھاتے تھے اور یہاں ڈھیلے اور پتھر نصیب ہوئے کسی کے حصہ میں کوہ (۱) منصوری کا پتھر اور کسی کے حصہ میں کوہ شملہ کا۔ اچھے جنت میں آئے کہ ایسی چیزیں کھانی پڑیں۔ اس حدیث کی شرح بجز اہل اسرار اور اہل اللہ کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔ اس کی شرح سن کر آپ کو اہل اللہ کی قدر معلوم ہوگی کہ حق تعالیٰ نے ان کو کیسا فہم دیا ہے حقیقت میں ظل اللہ فی الارض (۲) کا لقب پورا ان ہی حضرات پر صادق ہے سو وہ حضرات یوں کہتے ہیں کہ دنیا میں جتنی چیزیں اچھی سے اچھی کھا رہے ہیں اور اچھے سے اچھے کپڑے پہن رہے ہیں یہ کہاں سے آئے۔ زمین ہی سے تو نکلے ہیں۔ اگر ادنی کپڑے ہیں تو اون ہوتی ہے حیوانات سے اور حیوانات نے زمین ہی کے تو اجزاء کھائے ہیں جن سے وہ اون پیدا ہوئی ہے۔ غرض جس چیز کو بھی لیجئے گا اجزائے زمین ہی اس کی حقیقت نکلے گی زمین میں پانچ سیر گیہوں ڈالے تھے اور پیدا ہوئے پانچ من تو وہ پانچ سیر سے زیادہ جو پیدا ہوئے وہ زمین ہی کے تو اجزاء ہیں۔ انہی کی تو صورت بدل گئی ہے یا آم کا درخت نکلا اور اس میں ہزاروں آم پیدا ہوئے یا غلہ پیدا ہو یا کسی قسم کا پھل اترا سب زمین ہی کے تو اجزا ہیں عناصر سے مرکب ہوکر جس میں جزو غالب ارضی ہے، اس شکل سے نمودار ہوگئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے اندر سب چیز موجود ہے پس یہ کہنا غلط ہے کہ زمین میں ڈھیلے اور پتھر ہی ہیں زمین میں انار بھی ہیں، آم بھی ہیں، انگور بھی ہیں، کھٹائی بھی مٹھائی بھی۔ سب چیزیں زمین کے اندر موجود ہیں۔ ہر طرح کا مادہ اس میں رکھا ہوا ہے۔ یہ وہی مادہ ہے جو ان رنگ برنگ صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا کہ زمین کے اندر سب کچھ ہے۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب کوئی کسی کے یہاں مہمان ہوکر جاتا ہے تو اس کو بے چھنا آٹا تک نہیں کھلاتے۔ اور لوگ جائیں گے خدا کے مہمان ہوکر تو اللہ تعالیٰ پر یہ گمان کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ زمین کو بے چھانے کھلا دیں گے بس وہ اپنی قدرت کی مشین سے شملہ اور منصوری کے پتھر سے جو فضلہ ہے وہ الگ کردیں گے اور ان میں جو اجزاء

(۱) منصوری پہاڑ (۲) زمین پر اللہ کے سایہ کا صحیح مصداق۔

قابل کھانے کے ہیں وہ رہنے دیں گے۔

اب اس تقریر سے کچھ بھی شبہ نہیں رہتا (میں کہتا ہوں کہ زمین کی روٹی کے برابر کوئی چیز مزیدار ہو ہی نہیں سکتی، اس لیے کہ دنیا میں جتنے بھی مزے ہیں سب زمین ہی کا طفیل ہے خوشبوئیں جس قدر بھی ہیں زمین ہی سے پیدا ہوئی ہیں اس سے جو روٹی تیار ہوگی ظاہر ہے کہ اس میں ہزاروں قسم کے تو مزے اور ہزاروں قسم کی خوشبوئیں ہوں گی۔ لہٰذا اس کی روٹی سے کون سی چیز مزہ دار ہوسکتی ہے۔ جامع)

اب ایک بات اور رہ گئی وہ یہ ہے کہ اس تکلف کی ضرورت کیا تھی کہ اس زمین کی روٹی بنائی جائے یہ جنت کی نعمتوں کے برابر تو ہوگی نہیں پھر جنت ہی کی چیز کھلا دیتے۔

اس کا راز بھی حضرات اہل اللہ ہی نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ اہل اللہ میں سے بعض ایسے ہوئے ہیں کہ انہوں نے دنیا کی لذت چکھی تک نہیں یا تو قصداً یا میسر نہیں ہوئی اس لیے وہ موازنہ نہ کر سکتے تھے جنت اور دنیا کی نعمت میں اور جب کہ دونوں کا تفاوت معلوم نہ ہوتا تو جنت میں نعمتوں کی قدر بھی پوری نہ ہوتی اس لیے حق تعالیٰ نے پہلے دنیا کی چیز کو کھلا دیا کہ سب سے زیادہ لطیف غذا دنیا کی یہ ہے اب ہمارے یہاں کی غذا کھاؤ۔

اگر کوئی کہے کہ پھر ایسے ہی لوگوں کو کھلا دیا ہوتا جن کو دنیا کی لذات نہیں ملیں سب کو کیوں کھلایا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کریم کی یہ عادت نہیں ہوتی کہ بعض کو کھلائیں اور بعض کو محروم رکھیں اس لیے ہم سوالیوں (۱) کو بھی ان کے ساتھ شامل کر دیا یہ راز ہے اس حدیث کا اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ زمین کیا چیز ہے۔ کھانے اس میں، میوے اس میں، کپڑے اس میں سب چیزیں زمین ہی میں ہیں۔ اس لیے یہ بڑی قدر کی چیز ہے۔

اسراف وتبذیر

اگر کسی مسلمان کی زمین کسی کافر کے پاس دیکھتا ہوں تو میرا دل بہت دکھتا ہے کسی کے اچھے مکان کو دیکھتا ہوں تو پوچھتا ہوں کہ کس کا ہے اگر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان

(۱) اس جیسوں۔

کا ہے تو خوش ہوتا ہوں۔ اگر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کا نہیں تو قلق ہوتا ہے۔

میں ایک ضرورت سے نظام آباد گیا تھا۔ وہاں سے حیدر آباد قریب تھا میں نے سنا تھا کہ وہاں مسلمانوں کو بہت ثروت ہے(۱) غیر قوموں سے بھی ثروت میں بڑھے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں وہاں سے حیدر آباد بھی گیا تا کہ مسلمانوں کو عزت کی حالت میں دیکھوں۔

میں گو مسلمانوں کے لیے فی نفسہ مالدار ہونا پسند نہیں کرتا مگر اوروں کے مقابلہ میں اس کو پسند کرتا ہوں بشرطیکہ وہ احتیاط کریں اسی لیے جس کو بھی مال اڑاتے ہوئے دیکھتا ہوں تو یوں کہتا ہوں کہ اس کو کیا ہو گیا کہ خدا تعالیٰ کی نعمت کی قدر نہیں کرتا بلکہ میں تو علاوہ معصیت ہونے کے دنیا کی مصلحت سے بھی اسراف کو پسند نہیں کرتا دنیا کے مصالح بھی تو اسی میں ہیں کہ اس کو بے جا صرف نہ کیا جائے۔

میں سفیان ثوری کا قول عرض کرتا ہوں جو انہوں نے مال کے بارے میں فرمایا ہے اور یہ بزرگ وہ ہیں جو دنیا اور دنیا داروں سے انتہا درجہ کی نفرت رکھتے تھے۔ حتی کہ ہارون رشید تخت پر بیٹھے تو ان کی تخت نشینی کا جلسہ ہوا جس میں علماء اور فقراء کو بہت کچھ ہدایا دیئے گئے مگر آپ ملنے کو بھی نہیں گئے حالانکہ آپ کی ہارون الرشید کے ساتھ بچپن کی دوستی تھی دونوں ساتھ کے کھیلے ہوئے تھے اگر ہم سوال(۲) ہوتے تو یوں کہتے کہ اس میں ضرر کیا ہے۔ ہارون الرشید ایسے نہیں ہیں کہ ان سے ملنے نہ جائیں، دیندار بادشاہ ہیں مگر وہ جا کر بھی نہ پھرے۔

ہارون رشید جب تخت نشینی کے قصوں سے فارغ ہوئے تو سفیان ثوری کی خدمت میں بڑے ادب سے خط لکھا کہ بھائی سفیان کو یاد ہوگا جو مجھ میں اور تم میں علاقہ تھا تم میرے بھائی ہو میری تخت نشینی سے تمہارا جی خوش ہونا چاہیے تھا مگر تم ملنے بھی نہیں آئے تم آتے تو مجھے خدمت کرنے کا بھی موقع ملتا۔ غرض انہوں نے بڑے ادب سے خط لکھا مگر جس وقت سفیان ثوری کے پاس خط گیا ہے تو انہوں نے اس کو ہاتھ بھی نہیں

(۱) ہم جیسے (۲) وہاں کے مسلمان مال دار ہیں۔

لگایا بلکہ اس کو ایک لکڑی سے کھولا اور اسی کی پشت پر جواب لکھوادیا جس کے شروع میں یہ مضمون تھا کہ ظالم ہارون رشید کو واضح ہو کہ جس نے مسلمانوں کے حق پر قبضہ کیا۔ جس وقت قاصد نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا کہ بادشاہ کے خط کی ان کے یہاں یہ قدر ہے تو اس پر بے حد اثر ہوا اور وہ دربار میں پہنچا اور خط ہارون رشید کے سامنے ڈال دیا اور کہا کہ میرا استعفیٰ منظور ہو۔ ہارون رشید اس خط کو دیکھ کر رو پڑے اور کہا کہ افسوس پیام لے جانے والا تو کامیاب ہو گیا اور پیام بھیجنے والا محروم رہ گیا۔

سو جن کو اتنی بڑی نفرت تھی دنیا اور اہل دنیا سے وہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس پیسہ ہو تو اسے چاہیے کہ اس کی قدر کرے اڑائے نہیں۔ یہ حضرات مربی تھے۔ حدود کے سمجھنے والے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ الحلال لا یحتمل السرف یعنی مال حلال میں اس کی گنجائش نہیں ہوئی کہ اس کو فضول خرچ کیا جائے اور آپ اس کی مصلحت بھی بیان کرتے ہیں۔ لولا ھذہ الدراھم لتمندل بناھؤلاء الامراء یعنی اگر دراہم نہ ہوتے تو یہ حکام ہم کو دستمال اور پامال کر دیتے واقعی جس کے پاس مال ہوتا ہے اس پر حکام دست اندازی نہیں کر سکتے۔ مال والا ان بان کے ساتھ رہتا ہے اس کی وہ عزت ہوتی ہے جو بے پیسے والے کی نہیں ہو سکتی اس کو سر نیچا کرنا نہیں پڑتا۔ بھائی اسی واسطے مال بڑی قدر کی چیز ہے سو آپ نے یہ اس کی حکمت بیان فرمائی۔

اب آپ کو معلوم ہوا کہ مال کیسی چیز ہے کیا یہ نعمت نہیں خدا تعالیٰ کی کہ جیسے غریب سقہ بہشتی (۱) وغیرہ پر امراء دست اندازی کر سکتے ہیں، مال والے پر نہیں کر سکتے تمول ہی تو اس کا سبب ہے پس ایسی چیز کو برباد کرنا کتنی بڑی حماقت ہے اسی واسطے فرماتے ہیں:

اے بسا امساک کز انفاق بہ مال حق را جز بامر حق مدہ(۲)

خوب سمجھ لو کہ یہ مال تمہارا نہیں ہے خدا تعالیٰ کا ہے بس ان کا مال جب دوان

---

(۱) گھروں میں پانی بھرنے والا ماشکی (۲) ''اے طالب بہت مرتبہ خرچ نہ کرنا بہتر ہوتا ہے خرچ کرنے سے۔ حق تعالیٰ کے مال کو سوائے حق کے خرچ مت کر''۔

کی اجازت سے دو جب تک کہ ان کی اجازت نہ ہو ہرگز نہ دو، نہ کسی مصاحب کو نہ اور کسی کو اگر فضول خرچی کرتے ہیں وہی (لوگ) اس وقت (آخرت میں حساب کے وقت خود کو) گالیاں دیں گے پس اس کو بہت حفاظت سے رکھنا چاہئے ہاں جو واقعی موقع ہو خرچ کرنے کا وہاں خرچ بھی کرنا چاہیے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس کہیں سے چھ ہزار روپیہ آیا تھا آپ کو ایک شریف آدمی کے متعلق معلوم تھا کہ ان کو حاجت ہے پس آپ نے ان کو بلا کر چپکے سے تمام روپیہ حوالے کر دیا۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے پاس ڈیڑھ سو روپیہ کا ایک پوستین ایک جگہ سے آیا ایک نواب آپ کے یہاں آئے ہوئے تھے آپ نے ان کو دے دیا اور فرمایا کہ یہ پوستین میرے کام کا تو ہے نہیں کیونکہ پوستین ایسا قیمتی ہو تو باقی لباس بھی ویسا ہی ہونا چاہیے اور آپ کے کام آجائے گا کیونکہ آپ کا سارا لباس ایسا ہی ہوتا ہے۔

مولانا اس طرح نہ رہتے تھے کہ کسی نواب یا امیر سے گردن نیچی کرنی پڑے بلکہ ایسا برتاؤ کرتے تھے کہ اوروں ہی کو گردن نیچی کرنی پڑتی تھی اور جب کبھی آپ عمدہ قسم کا لباس پہنتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی والی ملک اور نواب ہیں۔ بے محل ہزاروں روپیہ بھی نہ لیتے تھے اور ویسے روپیہ دو روپیہ بھی قبول فرما لیتے۔

ایک بادشاہ نے ایک دفعہ شاید دس ہزار روپے بھیجے۔ آپ نے واپس کر دیئے اور فرمایا کہ ضرورت کے لائق میرے پاس روپیہ بہت کچھ موجود ہے میں اس قدر روپیہ لے کر کیا کروں گا۔ سو امیروں کے ساتھ یہ برتاؤ تھا اور غریبوں سے ایک دو روپیہ بھی لے لیتے تھے، ہم خود تو ایسے نہیں ہیں مگر الحمدللہ ایسوں کو پسند تو کرتے ہیں۔

میں ایک اپنا قصہ بیان کرتا ہوں ایک رئیس نے میرے پاس دو سو روپے مدرسے کے لیے بھیجے اور لکھا کہ میرا ارادہ ہے کہ آپ کے یہاں بلانے کی تحریک کروں اگر یہ جملہ نہ ہوتا تو میں لے لیتا۔ میں نے لکھ دیا روپوں کے ساتھ بلانے کی درخواست کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روپے بھیجنے سے آپ کا مقصود یہ ہے کہ میں ان سے متاثر ہو کر آپ کی درخواست کو منظور کر لوں اس لیے میں نے وہ روپے نہیں لیے ڈاک خانہ

میں جمع کرادیئے ہیں اگر آپ کے جواب سے یہ شبہ رفع ہو گیا تو لے لوں گا ورنہ واپس کردوں گا آخر ان کا خط آیا کہ مجھ سے بے تمیزی ہوئی اب میں آپ سے یہ درخواست نہیں کرتا۔

سو میرا یوں جی چاہتا ہے کہ کسی کا احسان رکھ کر نہ لیا جاوے ہمارے بزرگوں کا مذہب یہ ہے کہ اپنی کسی بات سے دین کی عزت میں ذرہ برابر فتور نہ آوے۔ جو بات کی جاتی ہے اس میں نیت یہ ہوتی ہے کہ دین کی عزت ہر طرح محفوظ رہے۔

ایک قابل عمل بات

ایک بات یہ بھی قابل عمل ہے کہ اگر مسلمانوں کے ساتھ احسان کرنا ہو تو اس کی یہ صورت نہیں کہ دسترخوان بڑا وسیع ہو۔ آج بریانی پک رہی ہے آج پلاؤ اور قورمہ تیار ہو رہے ہیں۔ ذرا سے کھانے میں ایک بڑی رقم لگ گئی اس سے تو چار غریب مسلمانوں کا بھلا ہوتا تو اچھا تھا۔ یہ کیا کہ بے حاجت قورمہ بریانی پکائے جارہے ہیں اپنے عزیزوں کے ساتھ احسان کرنا ہو تو بس روپیہ نقد دے دیا یہ نہیں کہ جوڑے عمدہ عمدہ دو۔

ایک ڈپٹی صاحب تھے تین سو روپیہ ان کی تنخواہ تھی مگر وہ ان کو کافی نہ ہوتی تھی ان کے یہاں یہ کیفیت تھی کہ کوئی عزیز دو مہینے سے پڑا ہے پھر تنخواہ کس طرح سے کفایت کرتی مجھے اس کی اطلاع ہوئی میں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ کیا بکھیڑا کر رکھا ہے ان سب کو ترک کرو اگر ایسا ہی عزیزوں کے ساتھ احسان کرنا ہے تو سب کو تنخواہ کردو ان کے بعض عزیز چولہے میں شامل تھے میں نے کہا سب کے چولہے الگ کروسوائے میاں بی بی کے اور میں نے یہ کہہ دیا کہ دیکھو میرا نام مت ظاہر کرنا کہ یہ اس کی رائے ہے مگر اس پر عزیزوں نے ان کا بہت پیچھا کیا۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے میرا نام لے دیا کہ یہ میں نے ان کی رائے سے کیا ہے۔ تب کہیں وہ لوگ چپ ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ اپنے اعزہ کے ساتھ سلوک کرنا چاہیئے تو نقد سے دے، کھانے

وغیرہ کا قصہ نہ پھیلائے اس میں بڑی خرابیاں پیش آتی ہیں۔

ایک دوست نے مجھے لکھا، تیس روپے میری تنخواہ ہے اور مہمان بکثرت آتے ہیں۔ تنخواہ میں خرچ پورا نہیں ہوتا میں بہت پریشان ہوں میں نے لکھا کہ عرف کو تو طاق میں رکھو جو تمہارا کھانا ہے وہ سب کے سامنے رکھ دیا کرو اور کہہ دیا کہ بس یہی کھانا ہے سب مل کے کھالو انہوں نے ایسا ہی کیا بس سب نے آنا چھوڑ دیا اور میں نے لکھا کہ اہل اللہ کا مذہب رکھو۔ وضعدار لوگوں کا مت رکھو ان کی تو یہ حالت ہوتی ہے۔

اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد(۱) زیر بارند درختاں کہ ثمرہا دارند

اہل اللہ بالکل آزاد ہیں۔ رسم ورواج کے ذرا مقید(۲) نہیں ان کا بڑا اچھا مشرب(۳) ہے ہر ادا ان کی محبوب ہے۔ بس میں نے لکھ دیا کہ اپنا کھانا سب کے سامنے رکھ دیا، پیٹ بھرے چاہے نہ بھرے۔ آدمی ارادہ کرلے تو سب کچھ ہوجاتا ہے انہوں نے اس پر عمل کیا اور اس کے بعد لکھا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے آپ نے بڑی اچھی تدبیر بتلائی میرا پیچھا چھوٹ گیا۔

ہم تو یہی تعلیم کریں گے کہ بلاضرورت مقروض مت ہو گو رسم ورواج کے خلاف کرنا پڑے مقروض ہونے سے بڑی پریشانی ہوتی ہے جس کا انجام بہت برا ہے اہل اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اس میں بڑی راحت ہے ہر مسلمان کو وہی مذہب رکھنا چاہئے جو اہل اللہ کا ہے۔

امراء کو ایک بات یہ چاہئے کہ جس سے اسراف سے نجات ہو اور انتظام درست ہو کہ سب سے اول اپنے اسباب کا انتظام کریں کہ کون سا ضروری ہے اور کون سا فضول ہے امراء میں یہ آفت ہے کہ جو چیز پسند آئی خرید لی اس سے بحث نہیں کہ اس کی حاجت بھی ہے یا نہیں؟ ہر چیز کے خریدار ہوجاتے ہیں جب کسی دکان پر جاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور خریدتے ہیں ان کے نزدیک یہ عار کی بات ہے کہ کوئی یوں کہے کہ دکان پر آئے اور لیا کچھ بھی نہیں۔ گھر میں بہت سی چیزیں ہوتی ہیں کہ بیکار رکھی رہتی ہیں۔

(۱) پھل دار درخت زیر بار ہیں سرو بہت اچھا ہے کہ ہر غم سے آزاد ہے'' (۲) پابند نہیں (۳) طریقہ۔

عمر بھر بھی کسی کام میں نہیں آتیں کسی نے خوب کہا ہے۔

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب معاش آنچہ ما در کار داریم اکثرے درکار نیست (۱)

پس سب سے پہلے انتخاب گھر کا کرو جتنی چیزیں کام میں آتی ہوں رہنے دو اور جتنی کام میں نہ آئیں خارج (۲) کردو یا مساکین کو دے دو۔ نفلی صدقہ دینے کی ہمت نہ ہو تو زکوٰۃ ہی میں دے دو۔ میں ایک اور مفید ترکیب بتلاتا ہوں فضول خرچی نہ ہونے کی وہ یہ کہ گھر کا معائنہ کیا کرو گھر میں بہت سی چیزیں ایسی دیکھو گے جو سڑ رہی ہیں کسی کو دیمک لگ رہی ہے پس ایسی چیزوں کو اپنی ملک سے الگ کرو تاکہ گھر میں رونق ہو ایک دفعہ ایسا کر گزرو گے تو آئندہ ایسی چیزیں کبھی نہ خریدو گے۔

ایک بات یہ ہے کہ روزمرہ کی معاشرت میں یہ مقرر کرلو کہ جو کام کرو سوچ کر کرو، بے تامل مت کر ڈالو اور ایک بات یہ کہ کسی کے کہنے سے کوئی کام مت کرو بس اپنی رائے پر عمل کرو میرے ایک ماموں صاحب تھے انہوں نے نظم گل بکاؤلی میں یہ شعر پسند کیا تھا۔

سن لاکھ کوئی تجھے سناوے کیجو وہی جو سمجھ میں آوے

قرآن اور جمہوری نظام

قرآن شریف میں مشورہ کی تاکید ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ کرنا وہی جو اپنی سمجھ میں آجاوے۔ حضرت قرآن شریف میں سب کچھ ہے اس کی شان ہے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کوئی ضروری بات ایسی نہیں ہے جو اس کے اندر نہ ہو۔ چنانچہ قرآن شریف میں مشورہ کا بھی امر ہے (۳) وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ کہ آپ مشورہ کیجئے اور آگے یہ بھی ہے فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ یعنی جب خود آپ کا قصد ہوجائے تو آپ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اس کام کو کر ڈالئے یہ نہیں فرمایا فاذا عزموا کہ وہ جب عزم کریں یا فاذا عزم اکثر بہ کہ ان میں سے اکثر عزم کریں۔ مطلب یہ ہے کہ مشورہ تو ان

(۱) ''حرص کی وجہ سے قناعت نہیں ورنہ اسباب معاش جو ہمارے پاس موجود ہیں اکثر ایسے ہیں جن کی ضرورت نہیں'' (۲) نکال دو (۳) حکم۔

سے کیجئے اور عزم اپنا ہو کہ مشورہ کے بعد جس بات پر آپ کی رائے قرار پائے وہ کیجئے۔

یہاں سے سلطنت جمہوری کا قلع قمع ہوتا ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جدھر کثرت رائے ہو اس جانب کو لیا جاوے سو قرآن شریف کی تعلیم اس کے خلاف ہے ورنہ یوں ہوتا ہے فاذاعزم اکثرھم مگر یہ نہیں فرمایا بلکہ فَإِذَا عَزَمْتَ فرمایا کہ جب آپ کا عزم ہو تب کیجئے۔

خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ مشورہ تو سب کا ہو اور عزم آپ کا ہو مشورہ کے بعد جو آپ کی رائے ہو وہ کیجئے دوسروں کی رائے پر عمل کرنا آپ کو لازم نہیں ہے۔ اگرچہ وہ اہل ہی ہوں اور آج کل کے تو اہل الرائے ماشاء اللہ اہل بھی نہیں ہوتے۔

کانپور میں ایک صاحب نے ایک مہاجن سے کہا کہ فلاں بات کی ہم کمیٹی میں تحریک کریں گے تم اس کی تائید کرنا۔ اس نے کہا کہ میں کیسے تائید کروں گا مجھ کو تو تائید کرنی آتی ہی نہیں۔ اس نے کہا کہ جب میں کہہ چکوں تو بس تم کھڑے ہو کر اتنا کہہ دینا کہ میں تائید کرتا ہوں اس کا خوب سبق یاد کرادیا کمیٹی میں پہنچے تو مہاجن صاحب کو سہم چڑھا ان لفظوں کو بے چارہ دل ہی دل میں گھونٹ رہا تھا(۱) کہ کہیں بھول نہ جاؤں غرض ان صاحب نے تحریک کی اس کے بعد مہاجن صاحب کھڑے ہوئے گھبراہٹ میں وہ لفظ تو یاد رہا نہیں آپ کہنے لگے صاحبو! میں بھی تارید کرتا ہوں ان صاحب نے ان کی طرف دیکھا، تو آپ کہتے ہیں کہ میں تردید کرتا ہوں پھر انہوں نے آہستہ سے بتلایا کہ یوں کہو میں تائید کرتا ہوں تو آپ کہتے ہیں صاحبو! میں تاکید کرتا ہوں آج کل ایسے ایسے اہل الرائے ہوتے ہیں کمیٹیوں میں۔

ایسا ہی ایک اور قصہ ہے کہ ایک جاہل مجسٹریٹ ہو گیا اسے کچھ آتا جاتا خاک نہ تھا اس لیے آپ کو فکر ہوئی کہ میں فیصلے کس طرح کروں گا آخر آپ فیصلہ دیکھنے کے لیے ایک اور مجسٹریٹ کے اجلاس میں پہنچے جو کہ ان کے برابر کا تھا اتنے میں دو شخصوں نے عرضیاں پیش کیں اتفاق سے اس نے ایک کو منظور کر کے دائیں طرف دے

(۱) یاد کر رہا تھا۔

دیا اور ایک کونا منظور کر کے بائیں طرف دے دیا انہوں نے دل میں یہ کہا کہ بس فیصلہ اسی طرح ہوتا ہے یہ کوئی مشکل بات نہیں میں بھی اسی طرح فیصلہ کر دیا کروں گا۔ پس آپ بھی فیصلہ کرنے کے لیے اجلاس میں جا بیٹھے اب جو عرضیاں پیش ہوتی ہیں تو آپ طاق (۱) نمبر میں تو کہہ دیتے ہیں منجور (۲) اور دائیں طرف رکھ دیتے ہیں اور جفت میں نامنجور اور بائیں طرف رکھ دیتے ہیں بس ایک کو منجور اور ایک کو نامنجور عرضی پیش کرنے والوں کی کم بختی آئی۔

سو ایسی ایسی لیاقت کے لوگ پریذیڈنٹ ہوئے ہیں نفرین کے قابل ہیں۔ ایسے لوگ کمیٹیوں میں ایسے ایسے ممبر ہوتے ہیں جن کو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہوتی واقعات بتلا رہے ہیں کہ آج کل کی کثرت رائے تو بالکل ہی مہمل ہے۔ اور اس میں اتنا غلو ہوا ہے کہ اب تو امراء کے یہاں کھانا بھی کمیٹی ہو کر کھایا جاتا ہے جب کھانا آتا ہے اور بھوک نہیں ہوتی تو مصاحبین سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت کھانا چاہیے یا نہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ حضور تھوڑا سا تو کھا لیجئے۔ بالکل نہ کھایئے گا تو ضعف ہو جائے گا اور ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اگر یہ کھائیں گے تو ہمیں بھی مل جائے گا بس وہ دوسروں کے ہاتھ میں پھنس گئے ہیں جیسے بچے ہوتے ہیں۔

مصاحبین کی یہ حالت ہے کہ ہر بات میں بجا اور درست کے سوا کچھ کہتے ہی نہیں خواہ بے جا (۳) ہی ہو حتی کہ اگر امیر صاحب کا وضو ٹوٹتا ہے جس کو محاورہ میں وضو ٹوٹنا کہتے ہیں تو اس پر بھی مبارک باد دی جاتی ہے جہاں ایسے مصاحب ہوں پھر عقل کیسے ٹھکانے رہ سکتی ہے بس سب سے مقدم کام یہ ہے کہ ایسے مصاحبوں کو بالکل حذف کرو (۴)۔

شیطان کا مکر

میں صرف امراء کو ہی نہیں کہتا بلکہ یہی حالت مشائخ اور علماء کے یہاں بھی

(۱) ایسا عدد جو برابر تقسیم نہ ہو جیسے تین پانچ سات وغیرہ (۲) منظور (۳) نامناسب ہی ہو (۴) اپنے سے دور کر دو۔

ہو رہی ہے پیروں کی عقل تو مریدوں نے لے لی اور علماء کی عقل شاگردوں نے پیر صاحب بلا مریدوں کے کوئی کام نہیں کر سکتے اور مریدوں کی یہ حالت ہے کہ پیر صاحب کسی کی غیبت کرتے ہیں تو وہ آمنا وصدقنا کے سوا کچھ نہیں کہتے۔ مصاحبین نے پیروں کو خراب کر رکھا ہے امراء کی ہم کیا شکایت کریں پیروں اور علماء کے یہاں بھی ایسے ہی مصاحب ہوتے ہیں بعض خدام کو اپنا مقرب بنا لیتے ہیں پھر وہ مزاج میں ایسے دخیل ہو جاتے ہیں کہ جس سے چاہیں راضی کرا دیں اور جس سے چاہیں ناراض کرا دیں۔ بس پیر صاحب بالکل ان کے قبضہ میں ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اس تقریب (۱) کا نتیجہ خود ان مقربین کے لیے یہ ہوتا ہے کہ اور لوگ ان سے حسد کرنے لگتے ہیں اور یہ مقرب ہو کر کیا کرتے ہیں کسی کی تعریف کر دی کسی کی برائی کر دی اور پیر صاحب ایسے بھولے بھالے ہیں کہ جو انہوں نے کہہ دیا اسی کو مان لیا۔

خوب سمجھ لو کہ بزرگوں میں زیادہ کامل وہ ہے جس کی حالت نبی ﷺ کے زیادہ مشابہ ہو۔ سو نبی کوئی بھولا نہیں ہوا۔ جتنے نبی ہوئے ہیں سب نہایت ہوشیار اور بیدار مغز تھے۔ پس زیادہ کامل وہی ہوگا جو نہایت ہوشیار اور متیقظ (۲) ہو۔ بھولا ہونا کوئی کمال نہیں۔ بھولا آدمی بھی سمجھے گا کسی کے مکر کو۔ جب انسان ہی کے مکر کو نہ سمجھے گا تو شیطان کے مکر کو کیا خاک سمجھے گا۔ کیونکہ شیطان کا مکر تو انسان کے مکر سے زیادہ سخت ہے یوں وظیفہ پڑھنا اور بات ہے باقی تربیت جس کا نام ہے یہ بھولے شخص سے نہیں ہو سکتی تربیت اور اصلاح دوسروں کی وہی کر سکتا ہے جو نہایت ہوشیار اور بیدار مغز ہو لہٰذا بیعت بھی انتخاب کر کے ایسے ہی شخص سے کرنی چاہئے۔

بعض لوگ بھولے پن سے ہر شخص کا نذرانہ قبول کر لیتے ہیں ان کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس میں کیا خرابی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نذرانہ خلوص سے نہیں دیا جاتا بلکہ اس میں دینے والے کی کوئی غرض فاسد ہوتی ہے اس لیے بلا تامل ہر شخص کا نذرانہ نہ لینا چاہئے۔

(۱) پیر صاحب سے اس قرب کا نتیجہ (۲) بیدار مغز ہوگا۔

ایک تحصیلدار میرے پاس آئے انہوں نے مجھ کو پچیس روپے دیئے میں نے اس میں سے دس روپے تو لے لیے باقی واپس کردیئے وہ تو چلے گئے اور بعض لوگ ان کے ساتھ آئے تھے وہ رہ گئے انہوں نے کہا کہ صاحب آپ نے دس روپے قبول کئے اور عجیب بات ہے کہ دس ہی روپے اول انہوں نے تجویز بھی کئے تھے مگر پھر کہنے لگے کہ اتنے روپے نہ میری شان کے لائق ہیں اور نہ ان کی شان کے اس لیے پندرہ اور نکالے بس دس روپے تو انہوں نے خلوص سے نکالے تھے اور پندرہ وضع داری سے اور خدا تعالیٰ کی قدرت کہ جتنے انہوں نے خلوص سے نکالے تھے اتنے ہی میں نے لیے۔

اس کی ظاہری وجہ یہ ہوئی کہ میں نے اس روز دس روپیہ کی لکڑیاں قرض لی تھیں اور خدا تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ان کو ادا کردیجئے۔ میرے ذہن میں ان کے دینے کے وقت یہ بات آئی کہ تو نے دس روپے کے لیے دعا کی تھی اس کا بندوبست خدا تعالیٰ نے کردیا اس سے کم لینا ناشکری ہے اس خیال سے میں نے دس روپے لے لیے باقی واپس کردیئے اس میں یہ بات بھی نکل آئی کہ دس ہی انہوں نے خلوص سے دیئے بھی تھے۔

غرض نذرانہ قبول کرنے میں بہت ہوش سے کام لینا چاہئے اس وقت جو میں نے دس روپے لیے تھے اور باقی واپس کردیئے تھے اس کی زیادہ وجہ تو وہ تھی جس کو میں نے بیان کیا باقی میرا مذاق بھی یہی ہے کہ زیادہ نذرانہ نہ قبول کیا جاوے چنانچہ میرا اکثر معمول ہے کہ ایک مہینہ کی آمدنی میں سے ایک روز کی پیش کرے تو خوشی سے لے لیتا ہوں اور پھر دوسری بار اگر نذرانہ دینے لگے تو اس کے لیے یہ شرط ہے کہ دونوں کے درمیان کم از کم ایک ماہ کا فصل ہو یہ ہے میرا مذاق۔

اہل اللہ کی معاشرت

مجھے امراء پر بہت رحم آتا ہے کیونکہ ان کے اخراجات ایسے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں کہ ان کی آمدنی اس کے لیے کافی نہیں ہوتی پھر ان پر یہ مصیبت ہے کہ دعوت بھی کریں گے تو ایسی کہ بدوں قرض لیے نہ ہوسکے۔ بھلا گھر کا معمولی کھانا کس

طرح کھلاویں تاوقتیکہ رنگ برنگ کے کھانے دستر خوانوں پر نہ ہوں دعوت ہی نہیں کرتے۔ حالانکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ مختلف رنگ کے کھانوں سے سادہ کھانا زیادہ لذیذ ہوتا ہے ایک تو اس وجہ سے کہ مختلف رنگ کے کھانے عادت کے خلاف ہوتے ہیں دوسرے متعدد کھانے طبیعت کو مشوش (۱) کر دیتے ہیں۔

موجز (۲) میں صراحۃً لکھا ہے کہ کثرۃ الالوان محیر للطبیعۃ یعنی کئی قسم کے کھانوں سے طبیعت کو حیرت ہوتی ہے۔ ہضم میں طبیعت حیران ہوتی ہے کہ پہلے کس میں عمل کروں یہ حیرت تو کھانے کے بعد ہوتی ہے اور ایک حیرت کھانے سے قبل بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ ہر کھانا کہتا ہے کہ اول مجھے کھاؤ اس میں سوچنا پڑتا ہے اجتہاد کر کے متعین کرنا پڑتا ہے کہ کس کو پہلے کھائیں اور کسے بعد میں۔ بعض کھانوں میں طبعاً ترتیب ہوتی ہے اور ہر شخص اس سے واقف نہیں ہوتا اس لیے ترتیب کے خلاف کھائے جاتے ہیں جو کہ مضر ہوتا ہے (۳) پس سب سے اچھی دعوت یہ ہے کہ جو گھر میں ہوا وہ کھلا دیا۔

اہل اللہ کی معاشرت دیکھئے مولانا مملوک علی صاحب نانوتوی کا قصہ ہے کہ آپ دہلی میں ایک مدرسہ میں صدر مدرس تھے۔ ان سے مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی نے فرمایا کہ مولانا آپ دہلی سے جب وطن جایا کریں تو راستہ میں مجھ سے مل کر جایا کریں۔ (کیونکہ کاندھلہ راستہ ہی میں پڑتا ہے) انہوں نے منظور کیا مگر شرط یہ لگائی کہ میری منزل میں حرج نہ ہو۔ مولانا مظفر حسین صاحب نے اس کو منظور فرمایا۔ مولانا مملوک علی صاحب جب دہلی سے تشریف لاتے تو مولانا مظفر حسین صاحب سے راستہ میں ضرور ملتے اور مل کر سوار ہو جاتے۔

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ مولانا مملوک علی صاحب دہلی سے آ رہے تھے جب کاندھلہ پہنچے تو مولانا مظفر حسین صاحب سے ملنے کے لیے سواری ٹھہرائی اور سواری وہیں چھوڑ کر مولانا سے ملنے گئے۔ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی گھر کے رئیس تھے۔ مگر آپ کی سادگی دیکھئے کہ آپ نے پوچھا کہ کھانا کھا چکے ہو یا کھاؤ گے۔ مولانا مملوک علی صاحب

(۱) پریشان (۲) طب کی کتاب ہے (۳) نقصان دہ۔

نے کہا کھائیں گے انہوں نے فرمایا کہ تازہ تیار کراؤں یا جو رکھا ہوا ہے وہی لے آؤں۔ مولانا مملوک علی صاحب نے فرمایا کہ جو موجود ہو وہی لے آیئے بس آپ مٹی کی رکابی میں کھچڑی کی کھرچن لے آئے اور کہا رکھا ہوا تو یہ ہے وہ بھی ایسے ہی تھے۔ بس انہوں نے اسی کو کھالیا اور پانی پی کر رخصت ہوگئے۔ یہ حالت تھی ان حضرات کی کہ جو ہوا وہ سامنے رکھ دیا۔

ایک دفعہ مولانا مظفر حسین صاحب گنگوہ تشریف لے گئے مولانا گنگوہی کے مہمان ہوئے صبح جب رخصت ہونے لگے تو مولانا گنگوہی نے کھانے کے لیے عرض کیا مولانا مظفر حسین صاحب رام پور جانے والے تھے۔ فرمایا کہ میری منزل کھوٹی ہوگی کیونکہ کھانا تیار ہونے میں دیر لگے گی ہاں اگر رات کا رکھا ہوا ہو تو لادو۔ مولانا نے ماش کی دال اور باسی روٹی لادی آپ نے رکابی کی دال روٹی پر الٹ کر پلے میں باندھ لی اور رخصت ہوگئے۔ حالانکہ آپ رئیس تھے جب رام پور پہنچے تو حکیم ضیاء الدین صاحب سے کہا کہ مولوی رشید احمد بڑے اچھے آدمی ہیں حکیم صاحب نے کہا کہ ہاں واقعی بڑے بزرگ ہیں۔ آپ فرمانے لگے میں تو کہہ رہا ہوں کہ بڑے اچھے آدمی ہیں اور آپ کہتے ہیں بڑے بزرگ ہیں میں ان کے بزرگ ہونے کی تعریف نہیں کررہا میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔ اگر خود نہیں سمجھتے تو پوچھ ہی لو۔ انہوں نے کہا کہ اچھا حضرت فرمایئے۔ آپ نے کہا کہ دیکھو کیسے اچھے آدمی ہیں انہوں نے مجھے کھانے کے لیے کہا پھر میرے کہنے سے جو کھانا رکھا ہوا تھا بے تکلف لادیا میں اس واسطے کہہ رہا ہوں کہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔

افسوس ہے کہ آج ان افعال کو ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ صاحبو! اگر وقت پر باسی روٹی مل جاوے تو وہ پلاؤ اور زردہ اور قورمہ سے اچھی ہے۔ اکثر ہمارے قصبات کے رئیسوں میں بھی سادگی ہے چائے تک کے عادی نہیں بعض جگہ تو اس قدر تکلف ہے کہ ایک جگہ دعوت ہوئی صبح کو چائے پلائی اس میں اس قدر تکلف کیا کہ بیس

روپے لگ گئے پھر کھانے میں اتنا بکھیڑا کیا کہ عصر کے وقت کھانا ملا بھلا کیا نفع ان باتوں سے خوب سمجھ لیجئے کہ دین کے چھوڑنے سے دنیا کی بھی تکلیف ہوتی ہے اور عقل بھی مسخ(۱) ہوجاتی ہے۔

ہر چیز میں تفاخر

میں یہ نہیں کہتا کہ خدا دے تو برا کھاؤ برا پہنو نہیں اچھا کھاؤ اچھا پہنو مگر حد کے اندر رہو۔ حضرت اب تو ہر چیز میں تفاخر ہے۔ کپڑا تفاخر کے لیے پہنتے ہیں کھانا ہے تو تفاخر کے لیے مکان ہے تو تفاخر کے واسطے۔ بعض نئے فیشن کے شیدائی ہیں ان کو کپڑے بھی نوکر ہی پہناتا ہے بٹن تک اپنے ہاتھ سے نہیں لگتے روزمرہ ان کے قیمتی وقت کا ایک بڑا حصہ فیشن ہی میں گزرتا ہے۔

ایک شخص ہر وقت جوڑے ہی بدلا کرتے تھے ہر وقت کے لیے ایک جوڑا الگ کر رکھا تھا سواری کے وقت کا جوڑا اور دوستوں سے ملنے کا اور حتیٰ کہ پاخانہ میں جانے کا جوڑا اور تھا ایک مرتبہ میں بھائی کے پاس گیا اتفاق سے وہ بھی وہیں ٹھہرے ہوئے تھے میں انہیں ہر وقت اسی مشغلہ میں لگا ہوا دیکھتا ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ نیچا کرتہ اور اس کے نیچے جانگیہ پہنے ہوئے پاخانہ میں جارہے ہیں اور گھٹنے اور رانیں سب کھلی ہوئی ہیں حالانکہ ویسے مہذب شخص تھے ایک روز مجھ سے بھی ملنے آئے اور عذر کرنے لگے کہ مجھ کو فرصت نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے آپ سے نہ مل سکا میں نے کہا جی ہاں میں خود دیکھتا ہوں کہ آپ ہر وقت کام میں لگے رہتے ہیں اس پر بہت شرمندہ ہوئے۔

آج کل یہ حالت ہے کہ لباس بھی دوسری قوم کا، کھانا بھی دوسرے ہی لوگوں کا، ہر بات میں دوسری قوموں کی تقلید کرتے ہیں۔ اے مسلمانوں! آپ کے گھر میں سب کچھ ہے دوسرے کے گھر سے لینے کی آپ کو مطلق ضرورت نہیں ہماری یہ حالت ہو رہی ہے۔

یک سبد پرناں ترا بر فرق سر   تو ہمیں جوئی لب ناں در بدر(۲)

---

(۱) خراب (۲) ”تیرے سر پر روٹیوں کا ایک ٹوکرا موجود ہے اور تو روٹی کے ایک ٹکڑے کے لیے دربدر مارا پھر رہا ہے“۔

ایک اور نیا طرز نکلا ہے جو امراء میں بھی بہت شائع ہوگیا ہے خالی برتن سامنے رکھ دیئے اور ایک ڈونگے میں کھانا لاکر بیچ میں رکھ دیا۔ اب وہ ایک ڈونگا ساری مجلس میں گھوم رہا ہے جن کا یہ اصل میں طرز ہے ان کے یہاں خود کھانا پہنچاتے ہیں یہاں یہ بے تمیزی کہ جو مانگے اسے دے دو اور جو نہ مانگے اسے مت دو۔ اس میں یہ توجیہ گھڑی ہے کہ کھانا خراب نہیں ہوتا جس کو جتنی ضرورت ہوتی ہے لے لیتا ہے جوٹھا کھانا نہیں بچتا حالانکہ یہ توجیہ بالکل لغو ہے کیونکہ اس کا دوسرا طریق ممکن ہے کہ تھوڑا تھوڑا کھانا رکھو اور جس کے سامنے نہ رہے اور دے دو اسی طرح لباس میں توجیہات گھڑی ہیں چھری کانٹے میں یہ وجہ گھڑی ہے کہ انسان کے ناخن میں زہر ہوتا ہے اس لیے ہاتھ سے نہیں کھاتے۔

یورپ کی اندھی تقلید

میں کہتا ہوں کہ تاویلیں کیوں کی جاتی ہیں سیدھی بات کیوں نہیں کہتے کہ اہل یورپ کا جو طرز ہے وہ پسند ہے اسی کے مقلد ہیں۔ اگر آج اہل یورپ اس طرز کو بدلیں تو یہ بھی فوراً بدل دیں گے یہی وجہ ہے کہ جو فیشن وہ اختیار کرتے ہیں اسی کو یہ بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ اگر کسی فیشن کا کوٹ وغیرہ سلوایا اور ابھی پہنا نہیں کہ فیشن بدل گیا تو وہ کوٹ بیکار ہوگیا اب دوسرے فیشن کا تیار کرا کے پہنا جائے گا جوتے ہیں تو وہ چھ چھ جوڑے داڑھی صاف کرانے کا منشاء اہل یورپ ہی کی تقلید ہے۔ اگر آج وہاں داڑھی رکھ لی جائے تو یہ بھی اپنے طرز کو بدل دیں۔

ایک مرتبہ یہ خبر سنی گئی تھی کہ داڑھی منڈانے کے نقصانات دیکھ کر اب اہل یورپ کی یہ رائے ہو رہی ہے کہ داڑھی رکھ لینی چاہئے۔ میں نے ایک وعظ میں کہا کہ ایسے لوگوں کو چاہئے کہ داڑھی جلد رکھ لیں کیونکہ لندن سے داڑھی رکھنے کا فتویٰ آنے والا ہے اگر بعد میں رکھی تو طعن ہوگا کہ خدا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فتوے کو تو نہ مانا اور اہل یورپ کے فتوے پر عمل کیا اس سے پہلے ہی رکھ لو تاکہ کسی کو طعن کی گنجائش نہ ملے۔

میں تو کہتا ہوں کہ غیر قوم کا طرز اختیار کرنے میں قطع نظر اس سے کہ کفار کے

ساتھ تشبہ ہے جو حرام ہے دنیا کا بھی کتنا بڑا نقصان ہے اس فیشن کی بدولت حالت یہ ہورہی ہے کہ دوسو کی آمدنی ہو وہ خرچ کو کافی نہیں، پانسو کی آمدنی ہو وہ کافی نہیں اس فیشن میں بے طرح روپیہ برباد ہوتا ہے۔ کیا یہ اسراف نہیں ہے ہم نے بہت سے لوگ دیکھے کہ پانسو کے ملازم ہیں۔ مگر اس فیشن کی وجہ سے مقروض ہیں۔

ایک جنٹلمین صاحب تھے وہ ہمیشہ بی بی کے بے طور سر رہتے کہ تم کپڑوں میں اتنا صرف کرتی ہو، زیور میں اتنا صرف کرتی ہو۔ تمہارے خرچ کی وجہ سے آمدنی کا پتہ ہی نہیں لگتا۔ بی بی کو سنتے ہوئے مدت ہوگئی کہاں تک سنے مکھی کا بھی پتّا(۱) ہوتا ہے آخر ایک روز اس کو بھی غصہ آگیا اور اس نے خوب لتاڑا کہ تم ہمیشہ میرے پیچھے تو پڑتے رہتے ہو کہ یہ فضول خرچی کرتی ہے اور یوں کرتی ہے ذرا اپنے گریبان میں تو منہ ڈال کر دیکھو کہ فیشن میں کتنا صرف ہوتا ہے۔ چھ جوڑے جوتے ولایتی کتنے کے ہوتے ہی۔ کوٹ پتلون میں کیا لگتا ہے مکان کی سجاوٹ کا انگریزی سامان کتنی قیمت میں آتا ہے ایک ایک چیز اس نے ان حضرت کو گنوائی چونکہ جواب معقول تھا ان کو خاموش ہونا پڑا جب کہیں اس بیچاری کا پیچھا چھوٹا۔

بس ان کے مقتدا اہل یورپ ہیں۔ انہی کی تقلید میں انہوں نے اپنے دین کا بھی ناس کیا ہے اور دنیا کا بھی۔ بعض عورتوں نے سایا(۲) پہننا شروع کیا ہے میم صاحب بننا چاہتی ہیں۔ ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں، کان ننگے، ان میں بالیاں تک نہیں۔ جو طرز میموں کا ہے وہ اختیار کیا ہے یہ نیا فیشن نکلا ہے عورتوں میں۔

میں کہتا ہوں کہ قطع نظر اس کے کہ تشبہ ناجائز ہے اخلاق پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے وہ یہ کہ اس سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔ جو سبب ہو تکبر کا۔ وہ بھی ناجائز ہوگا اور اس تشبہ میں کبر کی یہاں تک خاصیت ہے کہ حضرت! پلنگ اور کرسی پر بیٹھنے تک میں تفاوت ہے۔ جو وجہ ان سے مدرک ہے۔

ایک ڈاکٹر کہتے تھے کہ جب ہم حاجی صاحب کی خدمت میں رہ کر واپس

(۱) یعنی مکھی جیسی حقیر مخلوق کو بھی غصہ آتا ہے (۲) یورپ کی عورتوں کا لہنگا یا گھاگرا۔

ہوئے تو اپنے دل میں ایک نور لے کر آئے تھے۔ مظفر نگر جب آئے تو ایک شخص فٹن (۱) لے کر آئے کہ ہمارے مریض کو چل کر دیکھ لیجئے انہوں نے فٹن میں بیٹھنے سے بہت انکار کیا مگر اس کے اصرار کرنے پر آخر بیٹھنا پڑا۔ کہتے تھے کہ جس وقت فٹن میں قدم رکھا ہے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ نور سلب (۲) ہوگیا وجہ اس کی یہ ہے کہ ان چیزوں کی نسبت ہے دوسری قوم سے اس لیے ایسا ہوا یہ دوسری قوم کی وضع سمجھی جاتی ہے، اس لیے اس میں بیٹھنے سے وہ نور سلب ہوگیا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ غیر قوم کی ہر چیز ناجائز ہے بلکہ وہ ناجائز ہے جس کو خصوصیت ہے دوسری قوم کے ساتھ اور جس کو خصوصیت نہیں دوسری قوم کے ساتھ وہ جائز ہے۔ مونڈھے کرسی میں امتیازی شکل نہیں رہی وہ کسی خاص قوم کی وضع نہیں سمجھی جاتی اس لیے جائز ہے اور سایا (۳) وغیرہ میں امتیازی شکل باقی ہے اس لیے ناجائز ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر دیکھ کر طبیعت کھٹک جائے کہ یہ تو فلاں قوم کا طرز ہے تو تشبہ ہے ورنہ تشبہ نہیں۔ چنانچہ سایا وغیرہ دیکھ کر فوراً دیکھنے والے کا ذہن منتقل ہوتا ہے کہ یہ تو میموں کا طرز ہے اور کرسی مونڈھے میں ایسا نہیں ہے اسی پر دوسری چیزوں کو قیاس کرلو۔

انگریزی طرز اخلاق

غرض یہ ہے کہ یہ طرز اخلاق کے اعتبار سے بھی جائز نہیں۔ کیونکہ اس کا اخلاق پر بہت برا اثر پڑتا ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ خاص کر ملانوں کو تو ان لوگوں نے نیم وحشی کا خطاب دے رکھا ہے۔ حاصل یہ کہ یہ طرز اخلاقی لحاظ سے بھی اچھا نہیں مگر پھر بھی اس میں مصالح گھڑی جاتی ہیں۔

ایک شخص ریل میں تھے اور آپ کی وضع یہ تھی کہ کوٹ پتلون پہنے ہوئے اور کتا بغل میں اسی گاڑی میں بقول ان کے ایک نیم وحشی بھی آکر سوار ہوئے مگر انہوں نے ان کو سلام نہیں کیا تو آپ کہتے ہیں مسلمان کو کم از کم سلام تو کرلینا چاہیے

(۱) چار پہیوں والی بگی (۲) وہ نور جاتا رہا (۳) یورپ کی عورتوں کا لہنگا۔

انہوں نے کہا کہ میں آپ کو مسلمان ہی نہ سمجھا تھا۔ اس لیے سلام نہ کیا۔ جنٹلمین صاحب نے کہا کہ میرے اندر ایسی کون سی بات ہے جو آپ مجھ کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ انہوں نے کہا تم نے ساری وضع تو کافروں کی سی بنا رکھی ہے پھر میں تمہیں مسلمان کیسے سمجھتا انہوں نے کہا کہ کیا لباس سے مسلمان ہوتا ہے اس لباس میں تو مصلحت ہے اس لیے ہم نے اس کو اختیار کیا ہے وہ یہ کہ ڈھیلے پاجامہ میں گر پڑنے کا خوف ہے اس پر انہوں نے کہا کہ اس میں تو یہ مصلحت ہے اور کتا بغل کے اندر لینے میں کیا مصلحت ہے۔ جنٹلمین صاحب کہنے لگے کہ اس میں بڑی مصلحت ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جہاں کتا ہوتا ہے وہاں فرشتہ نہیں آتا اس لیے ہم کتے کو ساتھ رکھتے ہیں تاکہ عزرائیل سے بچے رہیں ان صاحب نے اس کا خوب ہی جواب دیا کہا کہ آخر کوئی کتے کی جان بھی تو قبض کرتا ہوگا وہی آپ کی قبض کرے گا اس پر بڑے جھلائے۔

رسم پرستی

میں لباس کے بارے میں ایک فتویٰ عجیب نقل کرتا ہو حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا فتویٰ نہیں کیونکہ یہ لوگ ابوحنیفہ کا فتویٰ کا ہے کو ماننے لگے ہیں جب کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فتویٰ نہیں مانتے بلکہ وائسرائے کا فتوی نقل کرتا ہوں وہ یہ کہ ایک صاحب وائسرائے سے ملنے گئے اور گئے اپنے ہی وضع میں وائسرائے نے اثنائے گفتگو کہا کہ مولوی صاحب اس لباس میں آپ شہزادہ معلوم ہوتے ہیں ہم اپنی قومی وضع سے مجبور ہیں اس لیے ایسا لباس نہیں پہن سکتے ورنہ ہم بھی اسی کو پہنتے۔ خوش نما بھی ہے اور راحت بھی اس میں ہے۔ لیجئے جناب اب تو وائسرائے کا فتویٰ بھی ہو گیا اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فتویٰ نہ مانو تو وائسرائے ہی کا مان لو۔

ایک اور عجیب بات ہے کہ یہ لوگ لباس وغیرہ میں تو غیر قوم کی تقلید کرتے ہیں اور بعض باتیں جو غیر قوموں میں خوبی کی ہیں ان سے کوسوں دور ہیں۔ مثلاً ہمدردی قوم کی یا خرچ کا ایک حد سے باہر نہ ہونا۔ معاملہ کا صاف ہونا اس کے پاس بھی نہیں جاتے بس آج فخر اس پر ہوتا ہے کہ ایک شخص کہتے تھے کہ چار روپیہ کا تو کوٹ کا کپڑا ہے اور سولہ

روپیہ اس کی سلائی دی ایک یورپین نے اس کو سیا ہے۔ خواہ تکلیف ہو اور سراسر مال کا نقصان ہو مگر انہیں نقل سے کام ہے۔

ایک مولوی صاحب ریل میں سفر کر رہے تھے اتفاق سے اس گاڑی میں ایک جنٹلمین صاحب بھی تھے اور چلے کے جاڑے(۱) کا موسم تھا ایک انگریز نے برف ڈال کر سوڈے کا پانی پیا اس کی ریس میں آکر آپ نے بھی پیا اور کوئی گرم کپڑا آپ کے پاس تھا نہیں کیونکہ یہ بھی فیشن ہے کہ سفر میں بستر بچھونا ساتھ نہ لے جائیں اور وہ کپڑے بھی کچھ گرم نہ پہنے ہوئے تھے گبرون کے کپڑے پہنے ہوئے تھے جو کچھ ایسے گرم نہیں ہوتے بس پیتے ہی کانپنے لگے بری حالت ہوئی مولوی صاحب کو رحم آیا اور اپنی رضائی ان کو دی اور کہا کہ حد کے اندر رہیئے دوسروں کی ریس نہ کیجئے۔

وہی مثل ہے کہ کوا چلا تھا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔ ریس تو کریں اہل یورپ کی اور مزج اور قوت ویسی ہے نہیں۔ مگر کچھ بھی ہو، انہیں نقل سے کام وہ لوگ غذائیں بھی ایسی کھاتے ہیں کہ ان پر ایسی چیز کا اثر نہیں ہوتا اور پھر شراب پیتے ہیں اور پھر ان میں قوت اور ان کے مزاج بھی ایسی ہی ہوتے ہیں!

ایک قصہ اور سنئے ایک مولوی صاحب ریل میں سوار تھے ایک جنٹلمین صاحب بھی اسی درجہ میں تھے۔ مولوی صاحب کے پاس مٹی کی صراحی تھی اس میں پانی تھا جنٹلمین صاحب بولے یہ کیا بھنگیوں کا سا برتن رکھ چھوڑا ہے مولوی صاحب نے اس وقت کوئی جواب نہ دیا اس خیال سے کہ موقع پر جواب دوں گا۔ آگے چل کر ان جنٹلمین صاحب کو پیاس لگی۔ اتفاق سے اسٹیشن پر بھی پانی نہیں ملا۔ اب پیاس بڑھی مولوی صاحب نے قرائن سے معلوم کرلیا کہ پیاس کا غلبہ ہے چونکہ ان حضرات پر شان کرم غالب ہوتی ہے اس لیے انہیں ان پر ترس آیا اور یہ چاہا کہ کسی طرح یہ پانی پی لیں انہوں نے یہ تدبیر کی کہ اپنے آپ کو سوتا بنالیا۔ جنٹلمین صاحب اوپر تختہ پر تھے اب ان کا عروج سے نزول(۲) ہوا اور مولوی صاحب کو جھک کر دیکھا کہ آنکھیں کھلی ہیں

(۱) سخت سردی کا زمانہ تھا (۲) اوپر کی سیٹ سے نیچے اترے۔

یا بند ہیں۔ انہوں نے قصداً بند کر رکھی تھی۔ جب خوب اطمینان ہو گیا کہ سو رہے ہیں تو صراحی منہ سے لگالی۔ یہ کچھ بولے نہیں اس خیال سے کہ پی لینے دو پیاسے نہ رہیں۔ جب صراحی رکھنے لگے تو فوراً ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ آپ نے بھنگیوں کے برتن میں کیوں پانی پیا اور پھر خوب لتاڑا۔

میں ایک دفعہ ریل میں تھا۔ ایک جنٹلمین صاحب کا ساتھ ہو گیا میرے پاس لوٹا تھا میں نے اس میں پانی لے لیا۔ یہ لوگ تو اپنے ساتھ کچھ لیتے ہی نہیں یہ بھی فیشن ہے جب سٹیشن قریب آیا تو آپ بولے کیا میں اس لوٹے کو لے سکتا ہوں؟ میں نے کہا کہ لے سکتے ہیں۔ آپ نے اسی وقت اس کو اٹھا کر اس کا پانی پھینک دیا اس پر مجھے ہنسی آگئی اور میں نے دل میں کہا کہ پانی نہ ملے تو خوب تماشا ہو۔ اتفاق سے پانی کہیں نہیں ملا تو آپ کہتے ہیں کہ بڑی غلطی ہوئی جو میں نے پانی گرا دیا۔ بس ان لوگوں میں رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں غیر قوم کی تقلید میں ان لوگوں کی یہ حالت ہو رہی ہے کہ اگر وہ ناک کٹوانے لگیں تو یہ بھی کٹوا دیں گے۔ داڑھی بھی غیر قوم کی تقلید میں ہی صاف کراتے ہیں حالانکہ داڑھی ایسی چیز ہے کہ جن کی تقلید میں یہ منڈاتے ہیں خود وہ اس کو پسند کرتے ہیں۔

ایک جوان کو ایک انگریز چار روپیہ ماہوار صرف داڑھی کے دیتا تھا کہ اس کو خوب بناؤ سنوارو۔ داڑھی بہت لمبی تھی۔ جب ہوا میں اڑتی، تو وہ انگریز دیکھ کر بہت خوش ہوتا۔

مولانا اسماعیل شہید سے ایک دوہری (۱) شخص نے کہا کہ داڑھی رکھنا فطرت کے خلاف ہے کیونکہ پیدائش کے وقت نہیں ہوتی۔ اگر فطرت کے موافق ہوتی تو پیدائشی ہوتی۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر یہی ہے تو دانت بھی نکلوا دینے چاہئیں۔ وہ بھی پیدائشی نہیں ہیں۔ مولانا عبدالحئیؒ صاحب اس کو سن کر فرمانے لگے واہ مولانا خوب دندان شکن جواب دیا۔

ایک صاحب کہنے لگے داڑھی رکھنے میں کیا حکمت ہے میں نے کہا کہ ہمیں عقلی حکمت کی ضرورت نہیں ہے ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے ہمارا مذہب تو یہ ہے۔

زبان تازہ کردن باقرار تو نینگیختن علت از کارتو! (۲)

ایک حکمت انگریزی لباس سے منع کرنے میں یہ ہے کہ اس کو پہن کر جی یوں چاہتا

(۱) دھریہ (۲) "آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپ کے کاموں میں علتیں نکالنے کا مانع ہے"۔

ہے کہ دوسروں کو دکھاویں۔ اگر عورتیں ایسا لباس پہنیں گی تو لازمی بات ہے کہ پردہ کم ہوجاوے گا۔ کیونکہ وہ چاہیں گی کہ دوسروں کو دکھائیں اور عورتوں کو دکھا کر ان کے حظ(۱) ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ عیب سمجھتی ہیں، اس لیے لامحالہ مردوں کو دکھانا چاہیں گی اور بے پردگی اختیار کریں گی یہ ساری خرابیاں تفاخر اور فضول خرچی سے پیدا ہوتی ہیں۔ پس تفاخر اور فضول خرچی کے چھوڑ دینے سے ساری خرابیوں کی جڑ کٹ جائے گی۔ میں اسراف کا بیان کر رہا تھا کہ مسلمان سمجھے ہوئے ہیں کہ آمد و خرچ کے متعلق کوئی قانون نہیں خوب سمجھ لو جیسے نماز روزہ کا قانون ہے اسی طرح اس کا بھی قانون ہے۔ چنانچہ اس آیت میں اسی مسئلہ کو حق تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دوسرے کا مال آپس میں مت کھاؤ اس سے حرام آمدنی کو روکتے ہیں!

اعتدال کی ضرورت

آگے فرماتے ہیں کہ مت لے جاؤ حکومت کی طرف یعنی مقدمات مت کرو آج کل اس کی بھی بڑی کثرت ہے ذرا سی کوئی بات ہوئی اور مقدمہ دائر، خوب سمجھ لو کہ اگر حاکم کسی کو دوسرے کا حق ثبوت ظاہری ہونے سے دلا بھی دے تو واقع میں وہ اس کا حق نہیں ہوجاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی کا حق کسی کو دلا دوں تو وہ خوب سمجھ لے کہ میں اس کو آگ کی چنگاری دلاتا ہوں پس سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی حاکم کسی کا حق دوسرے کو دلا دے تو وہ اس کے لیے حلال نہ ہوجائے گا۔ ملک ہونے نہ ہونے کی یہاں بحث نہیں وَلَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ میں ناجائز آمدنی کو روکا ہے یہاں خرچ کا ذکر نہیں ہے۔ مگر یہ بھی یہیں سے سمجھ میں آتا ہے کہ کیونکہ ناجائز طور پر جو مال حاصل کیا جاتا ہے اکثر اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ خرچ اس قدر بڑھا لیتے ہیں کہ حلال آمدنی اس کے لیے کافی نہیں ہوتی پس جب کہ ناجائز طور پر مال حاصل کرنے سے روکا جو اس کا باعث ہے یعنی اسراف اس کی بھی ممانعت ہوگئی پس اس آیت سے تو یہ اشارۃً معلوم ہوتا ہے اور دوسری آیات واحادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔

حدیث میں ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ کھڑا کرکے دریافت فرمائیں گے کہ جوانی کا ہے میں خرچ کی اور مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ مال اپنا

(۱) مزہ نہیں آئے گا۔

نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا مال ہے کسی نوکر کو اگر آپ خزانہ سپرد کردیں تو کیا وہ مالک اور خود مختار ہوگیا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے اپنا مال آپ کو بطور خزانچی کے دے دیا ہے پس جب تک کہ اجازت شرعی نہ ہو آپ کو دینے کا اختیار نہیں۔ اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے مال دیا ہے تو اس کی فہرست بھی دی ہے کہ اس موقع پر خرچ کرنے کی اجازت ہے اور اس موقع پر نہیں اور غور کرکے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اصل حق ہمارا تو صرف اتنا تھا کہ ہم کو بقدر ضرورت ملتا۔ اب جو ضرورت سے زیادہ مل رہا ہے تو وہ حق اوروں کا ہے اور لوگوں کو پہنچانا منظور ہے مگر وہ قواعد کے موافق ہونا چاہیئے یہ نہیں کہ جس کو چاہا دے دیا اور جہاں چاہا خرچ کردیا۔ حد سے زیادہ خرچ کچھ اختیار نہیں۔ اس لیے ضرور ہے کہ آدمی اپنا خرچ شرع کے موافق منضبط کرے (۱)۔

اخراجات کی حدود

شادی بیاہ میں لوگ آنکھیں بند کرلیتے ہیں کچھ اس سے بحث نہیں ہوتی کہ اس موقع پر خرچ کرنا چاہیئے بھی ہے یا نہیں۔ سو سمجھ لو کہ خرچ کرنے کے بھی حدود ہیں جیسے نماز روزہ کے حدود ہیں۔ اگر کوئی نماز بجائے چار رکعت کے چھ پڑھنے لگے یا کوئی روزہ عشاء تک رکھنے لگے تو گنہگار ہوگا اسی طرح مال کو حد سے زیادہ خرچ کرنے سے بھی گنہگار ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے ہر چیز کے حدود مقرر کئے ہیں۔ پس حدود کو معلوم کرنا چاہیئے علماء سے پوچھو ایک بات تو یہ یاد رکھو۔

دوسرے یہ یاد رکھو کہ جو کام کرو سوچ کر کرو۔ اگر ان دونوں باتوں پر عمل کروگے تو حقوق ضائع نہ ہوں گے اور جس میں لوگوں سے زیادہ غلطیاں ہوتی ہیں وہ حقوق مالی ہیں اس کا بڑا خیال رکھنا چاہیئے۔ ایک خرابی مسلمانوں میں یہ ہے کہ قرض لے کر ادا نہیں کرتے قرضے ادا کرنے کی بالکل عادت ہی نہیں۔ اس لیے ان کا اعتبار نہیں رہا۔ اب یہ حالت ہوگئی ہے کہ ہر ایک سے قرض مانگتے ہیں اور کوئی نہیں دیتا۔ حالانکہ قرض دینے کا بڑا ثواب ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ صدقہ دینے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور قرض دینے سے

(۱) اپنا خرچ شریعت کے مطابق متعین کرے۔

اٹھارہ۔ آپ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ قرض وہی مانگتا ہے جسے سخت حاجت ہوتی ہے (کیونکہ اس سے پھر واپس کرنا ہے) بخلاف صدقہ کے۔ تو قرض دینے کا اتنا بڑا ثواب ہے! مگر جب کوئی لے کر ادا ہی نہ کرے تو پھر کون دے حالت یہ ہوگئی ہے کہ قرض دے کر وصول نہیں ہوتا حتی کہ قرض دار سامنے آنا تک چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی واسطے مولانا جامی فرماتے ہیں۔

مدہ شان قرض ومستان نیم حبہ فان القرض مقراض المحبۃ(۱)

ایک شخص کا قصہ ہے کہ وہ کسی مقدمہ میں مظفر نگر آئے اتفاق سے جتنا روپیہ پاس تھا سب ختم ہوگیا اب بہت پریشان آخر وہیں کے ایک صاحب کے پاس گئے اور اپنی پریشانی بیان کی اور کہا کہ دس روپیہ قرض دے دیجئے میں گھر پہنچتے ہی بھیج دوں گا۔ انہوں نے ترس کھا کر دے دیئے انہوں نے گھر پہنچ کر خبر بھی نہ دی۔ کچھ دنوں کے بعد پھر کہیں ان سے ملاقات ہوگئی تو انہوں نے تقاضا کیا انہوں نے کہا کہ میں ابھی دو ایک روز میں ادا کر دوں گا اسی طرح مدتوں تک ٹال مٹول کرتے رہے یہاں تک کہ سال بھر گزر گیا پھر جو تقاضا کیا تو کہتے ہیں کہ کیا آپ کے پاس کوئی رقعہ ہے یہ حالت ہے مسلمانوں کی اس کو ہلکی بات سمجھتے ہیں اسی لیے اس میں بہت ہی تساہل ہو رہا ہے۔

ایک مانگی ہوئی چیز میں بڑا تساہل ہے یہ حالت ہے کہ چیز منگائی اور کام بھی ہوگیا مگر یہ توفیق نہیں ہوتی کہ واپس کردیں جب دینے والا خود طلب کرتا ہے تب دیتے ہیں اور اگر خود بھی دیں گے تو مدت کے بعد۔ اس میں بہت چیزیں گم بھی ہوجاتی ہیں خراب بھی ہوجاتی ہیں، بعض جگہ مہینے گزر جاتے ہیں واپس ہی نہیں ہوتیں اگر کسی نے طلب کیا تو دے دی، ورنہ پرواہ بھی نہیں ہوتی۔ نیت مارنے کی نہ ہو مگر تساہل اس قدر ہے کہ حد سے زیادہ۔

ایک اس بارہ میں بے احتیاطی ہے کہ کھانے کے ساتھ جو برتن چلے جاتے ہیں انہیں واپس کرنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی بس اپنے یہاں ان کا استعمال کرتے ہیں اسی طرح مدت ہوجاتی ہے جب خود منگاتے ہیں تب ملتے ہیں۔ خود میرے گھر میں تساہل ہے حالانکہ شرع نے اس میں اتنی احتیاط کی ہے کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ کھانا کوئی بھیجے تو اس برتن میں کھانا

(۱) ''امتوں کو آدھی پائی بھی قرض نہ دے کیونکہ قرض بے شک محبت کی قینچی ہے''۔

حرام ہے اپنے برتن میں الٹ لوتب کھاؤ ہاں ایک صورت میں جائز ہے کہ وہ کھانا ایسا ہو جو برتن بدلنے سے خراب ہوجاتا ہو یا اس کی آب جاتی رہے تو اگر ایسا کھانا ہو تب اس برتن میں کھانا جائز ہے ورنہ نہیں ہاں اگر مالک استعمال کی اجازت دے دے تو جائز ہے۔

دلیل فقہاء کے اس قول کی یہ حدیث ہے کہ لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منہ (۱) کھانا بھیجنے والوں کو ان برتنوں کا استعمال ناگوار ہوتا ہے اور جب کہ کھانا ایسا ہو جو برتن بدلنے سے خراب ہوتا ہو یا اس کی آب جاتی رہتی ہو تو وہاں دلالۃ اذن ہے (۲) اس برتن میں کھانے کا پس خلاصہ فقہاء کے کلام کا یہ ہوا کہ جہاں اجازت ہو قرائن سے تو جائز اور اگر قرائن سے اجازت نہ ہو تو جائز نہیں۔

غرض لوگ اموال کے بارے میں بڑی بے احتیاطی کرتے ہیں قرآن شریف میں کتنی سخت وعید ہے۔ اس پر میں پھر اصل مسئلہ کا اعادہ کرتا ہوں وہ یہ کہ ناجائز آمدنی سے احتراز کریں اور خرچ گھٹائیں امراء اس میں بالکل احتیاط نہیں کرتے اس پر عمل ہوگا تو زندگی بڑے عیش و آرام سے کٹے گی۔

نام اور کام کی اہمیت

رؤسا شادی وغیرہ میں بے حد بے احتیاطی کرتے ہیں دیوبند میں ایک رئیس تھے انہوں نے شادی کی اور بے انتہا خرچ کیا۔ مولانا محمد قاسم صاحبؒ ان کے یہاں آئے اور کہا کہ ماشاء اللہ! آپ نے بہت ہی خرچ کیا۔ آپ کی عالی حوصلگی میں کچھ شبہ نہیں مگر صرف اتنی کسر ہے کہ آپ نے اتنا خرچ کرکے ایسی چیز خریدی کہ اگر حاجت کے وقت اس کو فروخت کرنے لگیں تو اسے کوئی پھوٹی کوڑی کو بھی نہ لے وہ کیا؟ نام، باقی ویسے بڑا کام کیا بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جتنی نام کی کوشش کرتے ہیں اتنی ہی بدنامی ہوتی ہے۔

ایک مہاجن (۳) نے بڑی دھوم دھام سے شادی کی بہت خرچ کیا من جملہ اس کے یہ بھی کیا کہ براتیوں کو فی کس ایک اشرفی (۴) بھی دی جب براءت واپس ہوئی تو آپ کو یہ خیال ہوا کہ ہر گاڑی میں میرا ہی تذکرہ اور تعریف ہو رہی ہوگی اس کو کسی حیلہ

(۱) کتاب التمہید لابن عبدالبر: ۱۰/۲۳۱ (۲) اجازت ہے (۳) ہندو ساہوکار (۴) سونے کا سکہ۔

سے سننا چاہیے چنانچہ وہ ایک موقع پر پوشیدہ (۱) کھڑے ہو گئے۔ برأت وہیں کو گزری مگر کسی بہلی میں اپنا تذکرہ نہ پایا آخر ایک بہلی میں انہوں نے دیکھا کہ دو شخص میرا تذکرہ کرر ہے ہیں انہوں نے بڑے شوق سے کان لگائے ایک نے کہا کہ دیکھو تو کیسے نام کا کام کیا کہ ایک ایک اشرفی سب کو دی یہ کام کسی نے نہیں کیا دوسرے نے کہا سسرے نے ایک ایک دی کون سا کمال کیا اگر دو دو دیتا تو کیا مرجاتا۔

غرض یہ کہ نام کے لیے مال برباد کرتے ہیں مگر وہ بھی میسر نہیں ہوتا اور جن کے واسطے خرچ کرتے ہیں جس وقت مصیبت آتی ہے ان میں سے کوئی پاس بھی کھڑا نہیں ہوتا بلکہ تباہی ہونے پر یوں کہہ دیتے ہیں کہ مال برباد کرنے کو کس نے کہا تھا۔ اپنے ہاتھوں برباد ہوئے ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ آسودگی میں یہ کہتے تھے کہ جہاں تمہارا پسینہ گرے وہاں ہم خون گرانے کو تیار ہیں جس وقت تباہی آتی ہے ان میں سے ایک بھی پاس کھڑا نہیں ہوتا سب آنکھیں بدل جاتے ہیں۔

مسلمانوں کے حال پر بڑا افسوس ہے کہ وہ کچھ آگے پیچھے کا خیال نہیں کرتے۔ بے طرح فضول خرچی کرتے ہیں یہاں تک کہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ بعضوں کے لنگوٹی بندھ جاتی ہے۔ یہ حالت مسلمانوں کی اسی وجہ سے ہوئی کہ آہنی قلعہ (اسلام) کا پھاٹک خود کھول دیا ورنہ اسلامی اصولوں پر چلنے سے کبھی ذلت نہیں ہوسکتی۔

خلاصہ بیان کا یہ ہے کہ حقوق مالیہ کی حفاظت نہایت ضروری ہے اور شرع نے اس سے بھی تعرض کیا ہے اور اس کی تاکید کی ہے حفاظت نہ کرنے پر مواخذہ ہوگا۔

اب وقت بھی بہت ہو چکا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ بیان بھی بقدر ضرورت کافی طور سے ہو گیا دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ توفیق عمل کی مرحمت فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔ (۱)

اشرف علی

(۱) چھپ کر (۲) اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۱/۱۱/۲۰۲۰

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے بسلسلہ تقریب تکمیل قرآن کریم درج ذیل اداروں میں شرکت فرمائی۔

- جامعہ حقانیہ روڈ و سلطان جھنگ مولانا عادل صاحب کے ادارہ میں۔
- جامعہ مدینۃ القرآن تترخیل لکی مروت قاری محمد عثمان صاحب فاضل جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور۔
- تختی خیل لکی مروت قاری ریاض اللہ فاضل قراءاتِ عشرہ جامعہ دار العلوم الاسلامیہ لاہور۔
- معراج النساء برانچ جامعہ ہذا مانگا منڈی۔
- جامعہ دار العلوم الاسلامیہ **14** مارچ **2021**ء بروز اتوار تکمیل قرآن و تکمیل بخاری شریف کی تقریب کا انعقاد ہوا جس میں **32** طلباء نے حفظ مکمل کیا اور **40** طلباء نے قراءاتِ عشرہ و درسِ نظامی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم بھی مکمل کی اس موقع پر جامعہ کے تمام شعبہ جات کے نمایاں کارکردگی کے حامل **385** طلباء کو انعامات سے نوازا گیا۔

جامعہ کے تمام شعبہ جات کا تعارف مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مہتمم جامعہ ہذا نے پیش کیا۔

حفظ کا آخری سبق مولانا ڈاکٹر قاری رشید احمد تھانوی ناظم امتحانات جامعہ ہٰذا نے جبکہ بخاری شریف کا آخری سبق مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی نائب مہتمم جامعہ ہذا نے پڑھایا۔

آخری کلمات ودعا حضرت مولانا فضل الرحیم صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور نے فرمائی۔

❁ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم العالیہ ادارۃ المعارف کراچی مولانا عبدالوحید صاحب مدظلہ کے زیر نگرانی جن اداروں میں مسابقہ حفظ القرآن الکریم کی ججمنٹ کے فرائض انجام دیئے۔

❁ بیت النور جوہر ٹاؤن لاہور۔

❁ جامعہ عثمانیہ پشاور مولانا مفتی غلام الرحمن مدظلہ۔

❁ الجامعہ اسلامیہ مردان مولانا مفتی امداد اللہ صاحب مدظلہ

❁ مرکز زید بن ثابتؓ راولپنڈی۔

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے بسلسلہ تقریب تکمیل قرآن کریم درج ذیل اداروں میں شرکت فرمائی۔

❁ مدرسہ اشرف العلوم گوجرانوالہ اور جامعہ خیر المدارس ملتان میں طلباء تجوید وقراءات کا امتحان لیا۔

❁ شیخ الحدیث عارف باللہ مولانا مشرف علی تھانویؒ کا نیا وعظ ''نیک صحبت اور شیخ کی تلاش'' چھپ کر آچکا ہے اہلِ ذوق ادارہ اشرف التحقیق جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ سے طلب کر سکتے ہیں۔اس وعظ میں حضرت نے خانقاہوں کی ضرورت واہمیت اور بعض مشائخ کی تلاشِ صالحین کی رُوداد کو بیان فرمایا ہے۔